انتخابِ مراثی

انیس و دبیر

رشید حسن خاں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

انتخاب
مراثی انیس و دبیر

رشید حسن خاں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

Intikhab Miraasi Anis wa Dabeer
by
Rasheed Hasan Khan
Rs.78/-

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ 110025 ☎ 011-26987295

Email: monthlykitabnuma@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۔ 110006 ☎ 011-23260668

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی ۔ 400003 ☎ 022-23774857

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۔ 202002 ☎ 0571-2706142

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ 110025 ☎ 011-26987295

قومی اردو کونسل کی کتابیں مذکورہ شاخوں پر دستیاب ہیں

سنہ اشاعت: 2011 تعداد: 1100 قیمت: -/78 روپے

ISBN:978-81-7587-549-4 سلسلۂ مطبوعات: 1455

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی ۔ 110025

فون نمبر: 49539000 فیکس: 49539099

ای میل: urducouncil@gmil.com ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے ۔ کے ۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد ۔ 110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70 GSM TNPL Maplitho کاغذ کا استعمال کیا گیا ہے۔

معروضات

قارئین کرام! آپ جانتے ہیں کہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک قدیم اشاعتی ادارہ ہے، جو اپنے ماضی کی شاندار روایات کے ساتھ آج بھی سرگرم عمل ہے۔ 1922ء میں اس کے قیام کے ساتھ ہی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جو زمانے کے سرد و گرم سے گزرتا ہوا آگے کی جانب گامزن رہا۔ درمیان میں کئی دشواریاں حائل ہوئیں، نامساعد حالات سے بھی سابقہ پڑا مگر سفر جاری رہا اور اشاعتوں کا سلسلہ کلّی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوا۔

اس ادارے نے اردو زبان و ادب کے معتبر و مستند مصنفین کی سیکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ بچوں کے لیے کم قیمت کتابوں کی اشاعت اور طلبا کے لیے ''درسی کتب'' اور ''معیاری سیریز'' کے عنوان سے مختصر مگر جامع کتابوں کی تیاری بھی اس ادارے کے مفید اور مقبول منصوبے رہے ہیں۔ ادھر چند برسوں سے اشاعتی پروگرام میں کچھ تعطل پیدا ہوگیا تھا جس کی وجہ سے فہرست کتب کی اشاعت بھی ملتوی ہوتی رہی مگر اب برف پگھلی ہے اور مکتبہ کی جو کتابیں کمیاب بلکہ نایاب ہوتی جارہی تھیں شائع ہوچکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب تمام کتابیں مکتبہ کی دلّی، ممبئی اور علی گڑھ شاخوں پر دستیاب ہیں اور آپ کے مطالبہ پر بھی روانہ کی جائیں گی۔

اشاعتی پروگرام کے جمود کو توڑنے اور مکتبہ کی ناؤ کو بھنور سے نکالنے میں مکتبہ جامعہ بورڈ آف ڈائرکٹرس کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب نجیب جنگ (آئی اے ایس) کی خصوصی دلچسپی کا ذکر ناگزیر ہے۔ موصوف نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے فعّال ڈائرکٹر جناب حمید اللہ بھٹ کے ساتھ (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے درمیان) ایک معاہدے کے تحت کتابوں کی اشاعت کے معطّل شدہ عمل کو نئی زندگی بخشی ہے۔ اس سرگرم عملی اقدام کے لیے مکتبہ جامعہ کی جانب سے میں ان صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ یہ تعاون آئندہ بھی شاملِ حال رہے گا۔

خالد محمود

منیجنگ ڈائرکٹر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

مجلسِ ادارت

حرفِ آغاز

پُرانی کتابیں کم یاب ہوتی جارہی ہیں۔ جو کتابیں ملتی ہیں، اُن میں سے بیش تر قابلِ اعتبار نہیں۔ عام طور سے اُن کی قیمتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ جو اچھی کتابوں کو خریدنا چاہتے ہیں، قیمتوں کی زیادتی کی وجہ سے نہیں خرید پاتے۔

اِن امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، مکتبہ جامعہ نے، حکومتِ جموّں وکشمیر کے تعاون سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس کے تحت قدیم معیاری کتابیں، صحتِ متن اور حُسنِ طباعت کے ساتھ پیش کی جائیں گی۔ اِن کتابوں کا متن بہت اہتمام کے ساتھ تیار کیا جائے گا جو اُس کتاب کے معتبر ترین نسخے پر مبنی ہوگا۔ صحتِ متن کے ساتھ ساتھ صحتِ اِملا کا بھی بہ طورِ خاص لحاظ رکھا جائے گا اور یہ ساری کتابیں آفسٹ پر نہایت خوب صورتی کے ساتھ چھاپی جائیں گی۔ اس کے باوجود ان کتابوں کی قیمتیں کم سے کم ہوں گی اور اس کے لیے مکتبہ جامعہ حکومتِ جموّں وکشمیر کا ممنون ہے جس کی مالی امداد نے اِس بات کو ممکن بنایا۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومتِ جموّں وکشمیر کی مالی امداد سے مرتّب کیا ہوا کتابوں کا یہ سلسلہ اُردو زبان وادب کے فروغ میں اور اچھی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔

شاہد علی خاں
جنرل منیجر

تعارف

اُردو ادب کے پچھلے سرمایے میں، بیانیہ شاعری کے سب سے اچھے نمونے یا تو مثنویوں میں ملیں گے یا مرثیے میں۔ اور رزمیہ شاعری اُردو میں جس انداز کی بھی ہے، اُس کی اچھی مثالیں صرف مرثیوں میں نظر آئیں گی۔ شخصی مرثیے اُردو میں کم لکھے گئے ہیں، شروع ہی سے واقعاتِ کربلا کو مرثیے کا حقیقی موضوع سمجھا گیا، اور اب اگر کسی صراحت کے بغیر مرثیے کا لفظ استعمال کیا جائے تو اُس سے مراد عموماً یہی مراثی ہوتے ہیں۔

پُرانے مرثیوں پر سادگی اور اختصار کا رنگ غالب تھا۔ اُس زمانے تک اِس کا مقصد تھا محض حصولِ ثواب۔ اور اُس کا معیار یہ تھا کہ جو مرثیہ رونے رُلانے میں زیادہ کام یاب ہو، وہی اچھا مرثیہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دبیرؔ کے اُستاد میر ضمیرؔ اور انیسؔ کے والد، میر مستحسن خلیقؔ نے مرثیہ نگاری کے پُرانے انداز میں اہم تبدیلیاں کیں۔ انیسؔ و دبیرؔ کے مرثیوں میں تمہید نگاری، چہرہ بندی، معرکہ آرائی وغیرہ کی جو تفصیلات ملتی ہیں، اُن کی ایجاد یا رواج کا فخر انھی مرحومین کا حصہ ہے۔ ایجاد و اختراع کا یہ کمال جس کسی کا بھی حصہ ہو، اِس کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ پُرانی سادگی اور اختصار، یہ دونوں باتیں بالکل ختم ہو گئیں اور اب ایک مکمل صنف کی حیثیت سے اِس کی طرف توجہ کی گئی۔ حصولِ ثواب اب بھی مطمحِ نظر تھا، لیکن اب قصیدے کی طرح اِس کو بھی شاعرانہ کمال کے اظہار اور ثبوت کا اہم ذریعہ قرار دیا گیا۔ گریہ و بکا کے مضامین کی اہمیت اور فضیلت اب بھی باقی رہی، کیونکہ اِن کا سلسلہ مذہبی عقیدت سے جا ملتا ہے، لیکن مرثیے کی وسعت میں اِن اجزا کی ضمنی حیثیت رہ گئی۔ منظر کشی، جذبات نگاری، کردار نگاری، حریفوں کی معرکہ آرائی کے مُفصّل بیانات اور جُزئیات کی تصویر کشی نے، مرثیے میں ایک باضابطہ صنف کی وسعت پیدا کی اور بیانیہ شاعری کی رنگا رنگی سے اِس کو آشنا کیا۔ مرثیہ، جو ابتدا میں ایک سادہ و بے رنگ سی چیز تھی، اب مُرقع نگاری کے کمالات کا آئینہ خانہ بن گئی۔

مرثیہ نگاروں کی طویل فہرست میں انیسؔ و دبیرؔ کے نام سرِفہرست آتے ہیں اور بجا طور پر آتے ہیں۔ میر انیسؔ، میر مستحسن خلیقؔ کے بیٹے اور میر حسنؔ، صاحبِ مثنوی سحرالبیان کے

پوتے تھے۔ ان کے دادا میر حسن نے دہلی سے ترکِ وطن کر کے، فیض آباد میں قیام کیا۔ میر انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ لیکن عمر کا بڑا حصّہ لکھنؤ میں گزارا۔ اور وہیں ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ء) میں رحلت کی۔ میر حسن کے متعلق یہ بات عام طور سے تسلیم کی جاتی ہے کہ جزئیات نگاری اور واقعہ نگاری میں اُن کو کمال حاصل تھا۔ اُن کی مثنوی سحر البیان میں شاعرانہ مصوری کے بہترین نمونے پائے جاتے ہیں۔ میر انیس کو گویا یہ وصف ورثے میں ملا تھا۔ انیس کے یہاں منظر نگاری، جذبات نگاری، واقعہ نگاری اور کردار نگاری کا کمال نظر آتا ہے۔ یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ انیس کے زمانے کا لکھنؤ، سر سے پیر تک صناعت زدہ تھا۔ اور یہ صناعت، تصنّع کی آخری بلندیوں تک پہنچ چکی تھی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح، نثر و نظم میں بھی اسی کا سکّہ رواں تھا۔ سرور کی نثر اور ناسخ کی شاعری۔ اس کے نمایندہ نمونے تھے۔ ایسے سادگی آشوب عالم میں، انیس نے جذبات کی سچائی، زبان کی سادگی اور بیان کی سلاست کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اُن کی عظمت کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ انھوں نے اُس عہد میں، اِس انداز و روش کے ساتھ اور اس کے باوجود، قبولِ عام کی عزت حاصل کی۔ اس لکھنؤ میں، اِس رنگِ دہلی کی نمود، اُن کا کارنامہ ہے۔ انیس نے مرثیے ہی کو نہیں بیانیہ شاعری کی زبان و بیان کو سلاست و فصاحت کا معیار عطا کیا۔ ایسا معیار کہ جو اُس معیار پر پورا نہ اُترے، اُس کو درجۂ کمال سے محروم سمجھا جائے۔ دبیر کے ساتھ یہی حادثہ گزرا تھا اور آج تک اُس کے نتیجے یا فیصلے کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

انیس کے یہاں جزئیات نگاری اور تصویر کشی کا جو غالب رجحان ہے، اُس کے اثر سے اُن کی زبان اور طرزِ ادا میں صفائی کا عنصر ہمیشہ غالب رہا کہ اس کے بغیر، اِن اُمور کا حق ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ گویا اُن کا خاندانی جوہر ہے۔ موقع محل کی مناسبت سے فصیح تر الفاظ کا انتخاب اور اُن کی ترتیب اور اسی نسبت سے اسلوبِ بیان کے انتخاب کی جو بے مثال صلاحیت اور قدرت میر انیس کو حاصل تھی، اُس کی مثالیں کم یاب ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بندش کی چستی اُن کا خاص جوہر ہے۔ ان عناصر نے اُن کی شاعرانہ زبان کو فصاحت و روانی کی دل کشی اور تاثیر کی گرمی سے معمور کر دیا ہے۔ فرقِ مراتب کا لحاظ بھی میر انیس سے زیادہ شاید ہی کسی کے یہاں نظر آئے اور یہی وہ باتیں ہیں، جن کی وجہ سے اُن کے مبیّنہ حریف مرزا دبیر کا کلام، اُن کے کلام

کے مقابلے میں کم رتبہ دکھائی دیتا ہے۔

مرزا سلامت علی دبیر، میر ضمیر کے شاگرد تھے اور میر انیس کے ہم عصر و حریف تشبیہات و استعارات کی جدت، عربی و فارسی کے پُر شوکت الفاظ کا استعمال اور پُر شکوہ طرزِ بیان، اُن کے مراثی کی خصوصیات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن کی قوتِ تخیل بے حد زبردست تھی۔ اور معنی آفرینی کی صلاحیت قابلِ رشک۔ اُن کے مرثیوں میں بے شمار نئی نئی تشبیہیں اور پُر معنی استعارے بکھرے ہوئے ہیں۔ اِس میں اُن کا کوئی حریف نظر نہیں آتا۔ وہ ایک تلوار کی ایک سو ایک نئی تشبیہیں پیش کر سکتے ہیں، لیکن بس مشکل یہ ہے کہ اُن کی تشبیہوں اور استعاروں میں اکثر مُشبّہ اور مُشبّہ بہ میں اس قدر دور کی نسبت ہوتی ہے کہ تشبیہ و استعارے تو باقی رہ جاتے ہیں، خود وہ چیز غائب ہو جاتی ہے۔ انھوں نے واقعہ نگاری میں بالکل دوسرا راستہ اختیار کیا ہے کہ کثرت سے روایتیں نظم کی ہیں، لیکن مقتضائے حال کی رعایت پر ان کی نظر بہت کم رہتی تھی، نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اکثر مقامات پر تاثیر و دل کشی کا رنگ اُڑ گیا ہے بہ قول مولانا شبلی: "وہ اگر کسی واقعے کا خاکہ تیار کرتے ہیں تو اس قسم کی باتیں بیان کرتے ہیں جو خود شہادت دیتی ہیں کہ واقعہ وجود میں نہیں آسکتا تھا" شکوہِ بیان کی خاطر وہ نہایت بوجھل زبان استعمال کرتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بیان کی فصاحت اور منظر نگاری یا واقعہ نگاری کی ضروری تفصیلات، لفظوں کے ہجوم میں غائب ہو جاتی ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ بندش کی سستی بےطرح اُن کے کلام پر چھائی ہوئی ہے، اور یہ شاعری کا سب سے برا عیب ہے اور یہ ایک عیب، بہت سی خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اِن اُمور کی وجہ سے، اُن کا کلام، میر انیس کے کلام کے مقابلے میں واقعۃً کم رتبہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بہ ہر حال، دبیر ایک روشِ خاص کے مخترع تھے اور خاتم بھی۔ ان کی نئی نئی تشبیہیں اور اچھوتے استعارے گنجینۂ معنی کا طلسم ہیں۔ اور ان کے کلام کے ایسے حصّے جہاں ان کا عمل دخل ہے، ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے۔ لکھنؤ ان کا مستقر تھا اور وہیں ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں انتقال ہوا۔

اس کتاب میں انیس کے آٹھ اور دبیر کے پانچ مرثیوں کا انتخاب شامل کیا گیا ہے۔ مجموعۂ مراثیِ انیس مرتّبہ، مولانا نظم طباطبائی (اشاعتِ ثانی) کو متن کی بنیاد بنایا گیا ہے اور روحِ انیس، مرتبہ، پروفیسر مسعود حسن رضوی (طبع دوم) سے بھی بعض جگہ مدد لی گئی ہے۔ دبیر کے مراثی کا کوئی اچھا مجموعہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔ شاہی پریس لکھنؤ سے دفترِ ماتم کے نام سے ان کے

مراثی کا مجموعہ شائع ہوا تھا۔ اس کا دوسرا اڈیشن پیشِ نظر ہے جو ۱۹۱۲ء کا مطبوعہ ہے۔ اس میں بے حد اغلاط ہیں۔ نولکشور پریس نے بھی مجموعۂ مراثیِ دبیر شائع کیا تھا۔ یہ دونوں نسخے میرے سامنے ہیں۔ اور انھی کی مدد سے متن کو مرتّب کیا گیا ہے۔ اس کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی صاحب، دبیر کے مراثی کا ایک صحیح اور مستند مجموعہ مرتب کریں۔ مرثیوں کے انتخاب میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ دونوں حضرات کے نمایندہ کلام کو پیش کیا جائے جس سے دونوں کی خصوصیات پوری طرح سامنے آسکیں۔ انیس کے مرثیے: یارب! چمن نظم کو گلزارِ ارم کر، میں سے صرف تمہیدی حصّے کو منتخب کیا گیا ہے۔ یہ اپنے انداز کی منفرد تمہید یا مناجات ہے اور خود انیس کے یہاں اس انداز اور اس پائے کی کوئی اور مناجات یا تمہید نہیں پائی جاتی۔ انیس کا دوسرا مرثیہ: فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے، واقعہ نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اور مرقع نگاری کی بہترین مثال ہے۔ دونوں حضرات کے دو مکمل مرثیے درج کیے گئے ہیں، تاکہ دونوں کی مرثیہ نگاری کا ایک مکمل انداز بھی سامنے آجائے ان دونوں میں سے بس ایک ایک بند نکالا گیا ہے۔ انیس کا مرثیہ ہے: جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے۔ اور دبیر کا مرثیہ ہے: دستِ خدا کا قوّتِ بازو حسین ہے۔ یہ دونوں مرثیے، دونوں کے مشہور اور معرکے کے مرثیے کہے جاتے ہیں۔

دبیر کا مرثیہ: کس کا علم حسین کے منبر کی زیب ہے۔ اس میں تشبیہات کا حصہ بہت جان دار ہے دبیر کی قوتِ تخیل اور معنی آفرینی کا آئینہ دار ہے، اس مرثیے میں سے صرف اُن حصّوں کو منتخب کیا گیا ہے جو ہر لحاظ سے دبیر کے نمایندہ اچھے کلام کے ذیل میں آسکتے ہیں۔ انیس کے مرثیے: آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی۔ اور دبیر کے مرثیے: کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔ میں حضرت عبّاس کی شہادت کا بیان ہے۔ ان دونوں مرثیوں کو تقابل کی نظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ دونوں کے راستے بالکل الگ ہیں، طرز مختلف ہے، پھر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی ایک نے دوسرے کے مرثیے کو نظر میں ضرور رکھا ہے۔ معلوم حریفوں میں یہ ہوتا رہا ہے۔

اضافت کے زیر اور کاما کو التزام کے ساتھ لگایا گیا ہے۔ صحتِ متن اور صحتِ املا کا بھی مقدور بھر اہتمام کیا گیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ مراثی کے اس انتخاب کو اِن دو معروف مرثیہ گو حضرات کے ایک اچھے اور نمایندہ انتخاب کی حیثیت سے پسند کیا جائے گا۔ اس کو صنفِ مرثیہ کے اچھے اور نمایندہ انتخاب کی نظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

رشید حسن خاں

فہرست

انیس

دبیر

انتخابِ انیسؔ

یارب! چمنِ نظم کو گل زارِ ارم کر   اے ابرِ کرم! خشک زراعت پہ کرم کر
توفیض کا مبدء ہے، توجہ کوئی دم کر   گُم نام کو، اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک، مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلم رَو سے نہ جائے

اِس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری   بُلبُل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برَومند ہے یا حضرتِ باری   پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بُو کو

غوّاصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی   ہو جن کی جگہ، تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی، نظمِ ثریا سے ہو عالی   عالَم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا، نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے، جنھیں رشتہ ہے نبی سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اِس دُرجِ دہاں کو   دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو   عاشق ہو فصاحت بھی، وہ دے حُسنِ بیاں کو
تحسیں کا، سماوات سے غُل تا بہ سَمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت، وہ نمک ہو

تعریف میں، چشمے کو سمندر سے ملا دوں — قطرے کو، جو دوں آب، تو گوہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک، مہرِ منوّر سے ملا دوں — خاروں کو، نزاکت میں، گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر — کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم، فلکِ پیر — ہو جائے ہوا، بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دَور، اور چلیں جام — جس میں عوضِ نشہ، ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایام — صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو! پوچھ لو مے خانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خُلدِ بریں سے

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم — خیبر کی خبر لائے، مری طبعِ اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم — دکھلائے یہیں سب کو زباں، معرکۂ رزم
جل جائیں عدو، آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہوں صف آرا، صفتِ لشکرِ جرار — الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں، تو الف خنجرِ خوں خوار — مدّ آگے بڑھیں، برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو، کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رَن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی　　عالَم کو دکھادے بُرشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی　　لاریب، ترے نام پہ ہے سکّۂ شاہی

ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اِس طبل و علم کا

تائید کا ہنگام ہے یا حیدرِ صَفدر!　　امداد ترا کام ہے یا حیدرِ صَفدر!
تو صاحبِ اکرام ہے یا حیدرِ صَفدر!　　تیرا ہی کرم عام ہے یا حیدرِ صَفدر!

تنہا ترے اقبال سے شمشیر بہ کف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں، میں ایک طرف ہوں

ناقدریِ عالَم کی شکایت نہیں مولا!　　کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا!
باہم گُل و بلبل میں محبّت نہیں مولا!　　میں کیا ہوں، کسی روح کو راحت نہیں مولا!

عالَم ہے مُکدّر، کوئی دل صاف نہیں ہے
اِس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

نیک و بدِ عالَم میں تامّل نہیں کرتے　　عارف کبھی اِتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رُخ طرفِ گُل نہیں کرتے　　تعریفِ خوش اِلحانیِ بُلبُل نہیں کرتے

خاموش ہیں، گو شیشۂ دِل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خَذَف کو　　دُر کو تو گھٹاتے ہیں، بڑھاتے ہیں صَدَف کو
اندھیر یہ ہے، چاند بتاتے ہیں کلف کو　　کھو دیتے ہیں شیشے کے لیے درِّ نجف کو

ضائع ہیں دُر و لعل، بدخشان و عدَن کے
مٹّی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

ہنگامِ سخن کھلتی ہے ہے دُکانِ جواہر ہے لعل و گہر سے یہ دہن، کانِ جواہر
دیکھے اسے، ہاں ہے کوئی خواہانِ جواہر! ہیں بند مرصّع، تو ورق خوانِ جواہر

بینائے رقوماتِ ہنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا، نظر چاہیے اس کو

ہر وقت جو اِس جنس کے رہتے تھے طلب گار کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اِک بار
ہے کون، دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار اب ... کوئی طالب، نہ شناسا، نہ خریدار

کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک، تو ہم آئے

ہے آپ کی سرکار تو، یا صاحبِ معراج! خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
ہو جائے گا دَم بھر میں غنی، بندۂ محتاج اے باعثِ ایجادِ جہاں، خلق کے سرتاج!

امید اِسی گھر کی، وسیلہ اِسی گھر کا
دولت یہی میری، یہی توشہ ہے سفر کا

حسّانَ و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں میں کیا ہوں، مری طبع ہے کیا، اے شہِ شاہاں!
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحبان

کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

حضرت پہ ہُویدا ہے مرا ہیچ مدانی لاَ یعلمَ و لاَ علمُ کی کیا سحر بیانی
گویا ہوں، فقط ہے یہ تری فیض رسانی نہ ذہن میں جودت نہ طبیعت میں روانی

میں کیا ہوں، فرشتوں کی طلاقت ہے تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مدّاح خدا ہے

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعوا کیا میں نے خود سر بہ گریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے تقصیر بحل کیجیے، بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

مجرم ہوں، کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمَرا کی نہیں میں نے تقلیدِ کلامِ جُہَلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِ اَزَلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت پہ علی کی

فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے ۔۔۔ سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے ۔۔۔ گُل چاک گریباں ہیں، صبا خاک بسر ہے
گل رو، صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر سروِ قبا پوش ۔۔۔ عمامے سروں پر ہیں، عبائیں بسرِ دوش
یارانِ وطن، ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش ۔۔۔ حیراں کوئی تصویر کی صورت، کوئی خاموش
مُنہ ملتا ہے رو کر کوئی سَرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

عباس کا مُنہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ! ۔۔۔ اب آنکھوں سے چھُپ جائے گی تصویرِ یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہواخواہ ۔۔۔ واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جاں کاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس، یہ خُلقِ حَسَنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ جو عون و محمد کے ہیں ہم سن ۔۔۔ کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اِس داغ سے چین آئے ہمیں یہ نہیں ممکن ۔۔۔ گرمی کا مہینا ہے، سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرتِ شبیر کے سایے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر ہاں بھائیو، تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر ماموں رہیں جنگل میں، تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم ہر قلب حزیں ہے، تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم غل ہے کہ چلا دل برِ مخدومۂ عالم
خدّام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبی کے
روضے پہ اُداسی ہے رسولِ عربی کے

تدبیرِ سفر میں ہیں اِدھر سبطِ پیمبر گھر میں کبھی آتے ہیں، کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسِ دلاور تقسیمِ سواری کے تردّد میں ہیں اکبر
شہ کو جنھیں لے جانا ہے، وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اِصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں، محمل بھی ہیں تیار چلّاتے ہیں درباں، کوئی آئے نہ، خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

عوراتِ محلّہ چلی آتی ہیں بہ صد غم کہتی ہیں، یہ دن، رحلتِ زہرا سے نہیں کم
پُرسے کی طرح، رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم فرش اٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت، جُدا ہوتی ہے زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

لے لے کے بلائیں، یہی سب کرتی ہیں تقریر — اِس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبّیر!
سمجھاتی نہیں بھائی کو، اے شاہ کی ہمشیر! — مسلم کا خط آلے، تو کریں کوچ کی تدبیر
للّٰہ! ابھی قبرِ پیمبر کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہرا کا ہے اِس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے، ملک رہتے تھے جس گھر کے نگہباں — کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں
کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں — بی بی! یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں
ایک ایک شقی، دشمنِ اولادِ علی ہے
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدر پہ چلی ہے

اُجڑے گا مدینہ، جو یہ گھر ہوئے گا خالی — بربادیِ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جانے پھر آئیں یا نہ آئیں شہِ عالی — حضرت کے سوا کون ہے اِس شہر کا والی
زہرا ہیں، نہ حیدر، نہ پیمبر، نہ حسن ہیں
اب اُن کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

گرمی کے یہ دن اور یہ پہاڑوں کا سفر آہ — اِن چھوٹے سے بچوں کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ — اِن کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذی جاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اُس راہ میں پانی نہیں ملتا

مُنہ دیکھ کے اصغر کا، چلا آتا ہے رونا — آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا — لکھا تھا اسی بن میں مسافر اِنھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کُمھلائیں گے، ماں ہاتھ ملے گی

اُن بیبیوں سے کہتی تھی یہ، شاہ کی ہمشیر
بہنو! ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اِس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبّیر

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جُدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

امّاں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی
فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے، شق ہوتی ہے چھاتی
بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی

ظاہر میں تو مائینِ لحد سوتی ہیں امّاں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں، روتی ہیں امّاں

یاد آتی ہے ہر دم مجھے امّاں کی وصیت
کچھ جان کی تھی فکر نہ اُن کو دمِ رحلت
آہستہ یہ فرماتی تھیں باصد غم و حسرت
شبّیر سدھارے جو سوئے وادیِ غربت

اُس دن مری تربت سے بھی مُنہ موڑیو زینب!
اِس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینب!

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہِ عادل
تیّار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہو گی کہیں آج کی منزل
رخصت کرو لوگوں کو، بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد، ابھی وقتِ سحر ہے
بچّے کئی ہم راہ ہیں، گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہیں ملنے کو آئے
کہہ دو، کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے
نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہیں پائے

ڈر ہے کہیں گھبرا کے دم اُس کا نہ نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

رخصت کو ابھی قبرِ پیمبر پہ ہے جانا — کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہوئے مرا آنا
امّاں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا — اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے، ملنا ہے ابھی قبرِ حسَنؑ سے

سن کر یہ سخن، بانوئے ناشاد پکاری — میں لٹتی ہوں، کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری — یہ کس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اِس صاحبِ آزار کو چھوڑوں
اِس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں، کلیجا نہیں سینے میں سنبھلتا — صاحب! مرے دل کو ہے کوئی ہاتھوں سے ملتا
میں تو اُسے لے چلتی، پہ کچھ بس نہیں چلتا — رہ جاتیں جو بہنیں بھی تو دل اس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلّاتی تھی کُبرا کہ بہن! آنکھیں تو کھولو — کہتی تھی سکینہ کہ ذرا مُنہ سے تو بولو
ہم جاتے ہیں، تم اُٹھ کے بغل گیر تو ہو لو — چھاتی سے لگو باپ کی، دل کھول کے رو لو
تم جس کی ہو شیدا، وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا

ہُشیار ہو، کیا صبح سے بے ہوش ہو خواہر! — اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے، کھڑی روتی ہیں مادر — ہم روتے ہیں، دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر
افسوس اِسی طور سے غفلت میں رہو گی!
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی!

سُن کر یہ سخن، شاہ کے آنسو نکل آئے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
مُنہ دیکھ کے بانو کا، سخن لب پہ یہ لائے
کیا ضُعف و نقاہت ہے خدا اِس کو بچائے
جس صاحبِ آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیونکر اسے لے جاؤں سفر میں

کہہ کر یہ سخن، بیٹھ گئے سیدِ خوش خو
اور سورۃ الحمد پڑھا، تھام کے بازو
بیمار نے پائی گُلِ زہرا کی جو خوش بو
آنکھوں کو تو کھولا، پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا، مجھ میں جو حواس آتے ہیں امّاں!
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں امّاں!

ماں نے کہا، ہاں ہاں، وہی آئے ہیں مری جاں
جو کہنا ہے کہہ لو، کہ یہاں اور ہے ساماں
دیکھو تو اِدھر روتے ہیں، بی بی! شہِ ذی شاں
صغرا نے کہا، اُن کی محبت کے میں قرباں
وہ کون سا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا!
کُھل کر کہو، کیا مجھ سے جُدا ہوتے ہیں بابا!

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر
نہ فرش، نہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبر
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر
اُجڑا ہوا لوگو! نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ مُنہ سے تو بولو، مرا دم گھٹتا ہے اماں!
کیا سبطِ پیمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں!

شبیر کا مُنہ تکنے لگی بانوئے مغموم
صغرا کے لیے رونے لگیں زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سیدِ مظلوم
پردہ رہا اب کیا، تمہیں خود ہو گیا معلوم
تم چھٹتی ہو، اِس واسطے سب روتے ہیں صغرا!
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا!

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار — میں پا بہ رکاب اور ہو تم صاحبِ آزار
پھر آنا ہے وہ گھر میں، سفر میں جو ہو بیمار — تکلیف تمھیں دوں، یہ مناسب نہیں زنہار
غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر، رنج و مصیبت کا سفر ہے

لُو چلتی ہے، خاک اڑتی ہے، گرمی کے ہیں ایام — جنگل میں نہ راحت، نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام — دریا کہیں حائل، کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار، نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا، کھانے سے خود ہے مجھے انکار — پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہ گار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار — تبرید فقط آپ کا ہے شربتِ دیدار
گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا!
آئے گا پسینا، تپ اتر جائے گی بابا!

کیا تاب اگر مُنہ سے کہوں، درد ہے سر میں — اُف تک نہ کروں، بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں — قربان گئی، چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا، راہ میں گر روئے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغرا

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہوں مادر — ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر — لونڈی ہوں سکینہ کی، نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا! مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ　　میں کہہ نہیں سکتا، مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی، گو تم نہیں آگاہ　　ایسا بھی ہے کوئی جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا!
ہے مصلحتِ حق یہی، جو کہتا ہوں صغرا!

اے نورِ بصر! آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا　　تو مجھ سے بہلتی، مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا　　یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
جز ہجر، علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

مُنہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم　　چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ، موئے ہم
ماں کہتی تھی، مختار ہیں بی بی! شہِ عالم　　میرے تو کلیجے پہ چھُری چلتی ہے اِس دم
وہ درد ہے، جس درد سے چارا نہیں صغرا!
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا!

صغرا نے کہا، کوئی کسی کا نہیں زنہار　　سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ، نہ وہ آنکھ کسی کی ہے، نہ وہ پیار　　اِک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا، سب کے ہیں غم خوار
بے زار ہیں سب، ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے، کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں، سلامت رہیں اکبر　　اتنا نہ کہا مر گئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں، وہ ہیں صبح سے باہر　　وہ کیا کریں، برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نہ بھائیوں کو دھیان، نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا اُن کو پڑی تھی، جو وہ غم کھانے کو آتے
میں کون، جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو غرض، چھاتی سے لپٹانے کو آتے
زلفیں جو الجھتیں تو سُلجھوانے کو آتے
کل تک تو مرے حالِ پریشاں پہ نظر تھی
تقدیر کے اِس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہیں عباسِ دلاور
میں کون ہوں، جو میری خبر پوچھتے آکر
سرسبز رہے خلق میں نو بادۂ شبّر
شادی میں بلائیں، مجھے یہ بھی نہیں باور
بے دولھا بنے، مُنہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چُراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اِس درد کو میں بے کس و رنجور
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی! میں ہوں مجبور
ہم راہیِ بیمار کسی کو نہیں منظور
دُنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

سب بیبیاں رونے لگیں سُن سُن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیر!
لو صبر کرو، کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
منہ دیکھ کے چُپ رہ گئی، وہ بے کس و دل گیر
نزدیک تھا، دل چیر کے پہلو نکل آتے
اچھا، تو کہا مُنہ سے، پہ آنسو نکل آتے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبر کو بلاؤ، علی اصغر کو بھی لاؤ
آئے علی اکبر، تو کہا شاہ نے، آؤ
روٹھی ہے بہن تم سے، گلے اس کو لگاؤ
چلتے ہوئے، جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے اِنھیں کب آؤ گے، اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبر نے کی یہ پیار کی تقریر — کیا مجھ سے خفا ہوگئیں صغرا، مری تقصیر!
چلانے لگی، چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دل گیر — محبوب برادر! ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے — تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے — کیوں روتے ہو، اشک آنکھوں کے ڈھلنے کے میں صدقے
جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی!
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی!

کیا گزرے گی، جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی! — کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی!
تشریف خدا جانیے کب لاؤ گے بھائی! — کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی!
کیا دم کا بھروسا کہ چراغِ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا — صحت سے جو ہیں، اُن میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیّا! جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا — ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
کیا لطف، کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے، تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدّم ہے، غم اس کا نہیں زنہار — دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
قبلے کی طرف کون کرے گا رُخِ بیمار — یٰسٓ بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غم خوار
سانس اکھڑے گی جس وقت، تو فریاد کروں گی
میں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کروں گی

ماں بولی، یہ کیا کہتی ہے صغرا، ترے قربان — گھبرا کے نہ لب تن سے نکل جائے مری جان
بے کس مری بچی! ترا اللہ نگہبان — صحت ہو تجھے، میری دعا ہے یہی ہر آن
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں، بیٹا!
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں، بیٹا!

میں صدقے گئی، بس نہ کرو گریہ وزاری — اصغر مرا روتا ہے، صدا سُن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری — آ اے مرے ننھے سے مسافر! ترے واری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن، جان گئے تم
اصغر! مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی — تپ ہے، تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے، لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی — رکھ لوں تمھیں، اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
بے کس ہوں، مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو، سو تمھیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار — صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اِک بار
لے لے کے بلائیں، یہ لگی کہنے وہ بیمار — جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
دُنیا سے کوئی دن میں گزر جائے گی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

عباس نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا — چلنے کو ہے اب قافلہ تیار ہمارا
لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا — اُٹھّے شہِ دیں، گھر تہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا، سو وہ پُرنم نظر آئی
اک مجلسِ ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

بیتُ الشرفِ خاص سے نکلے شہِ ابرار روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فراشوں کو عبّاس پکارے یہ بہ تکرار پردے کی قناتوں سے خبردار، خبردار!
باہر حرم آتے ہیں رسولِ دوسرا کے
شقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو، وہ اتر جائے آتا ہو اِدھر جو، وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے دیتے رہو آواز، جہاں تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عبّاسِ علی سے علی اکبر نے کہا تب ہیں قافلہ سالارِ حرم، حضرتِ زینب
پہلے ہوں وہ اسوار، تو محمل میں چڑھیں سب حضرت نے کہا، ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہرا کی جگہ بنتِ علی ہے
میں جانتا ہوں، ماں مرے ہم راہ چلی ہے

پہنچی جوں ہی ناقے کے قریں دخترِ حیدر خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبطِ پیمبر
فضّہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبر
فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عبّاس کھڑے تھے

زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہرا ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیّدِ والا
آنے لگے رہ وار، کھلا گرد کا پردا عبّاس سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے، روحِ نبی پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربی پر

ہے قبر پہ نانا کی مقدم مجھے جانا   کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا   اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسن سے

پیدل شہِ دیں روضۂ احمد کو سدھارے   تربت سے صدا آئی کہ آ اے مرے پیارے!
تعویذ سے شبیر لپٹ کر یہ پکارے   ملتا نہیں آرام نواسے کو تمھارے
خط کیا ہیں، اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا!
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا!

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی   راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دُکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی   ہیں آپ جہاں، راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں، گرفتارِ بلا ہوں
خود پانو سے اپنے، طرفِ قبر چلا ہوں

میں اِک تنِ تنہا ہوں، ستم گار ہزاروں   اِک جان ہے اور درپۓ آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں   اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

یہ کہہ کے، ملا قبر سے شہ نے جو رخِ پاک   ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاک
جنبش جو ہوئی قبر کو، تھرا گئے افلاک   کانپی جو زمیں، صحنِ مقدس میں اُڑی خاک
اُس شور سے آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو، ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

باتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح تو شہر سے جاتا ہے، تڑپتی ہے مری روح
بے تیغ، کیا خنجرِ غم نے ترے مذبوح ہے کشتیِ امت پہ تباہی، کہ چلا نوح
افلاکِ امامت کا تجھے بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

اِس ذکر پہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے واں سے جو اٹھے، فاطمہ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے آواز یہ آئی کہ میں صدقے مرے جایئے!
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اُسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری گھبرا کے علی آئے نجف سے کئی باری
کہنے لگے کہ لے احمدِ مختار کی پیاری تم پاس ہو، تربت ہے بہت دور ہماری
گھر لٹتا ہے، کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہرا!
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسین آئے گا زہرا!

میں نے جو کہا، قبر سے کیوں نکلے ہو باہر نہ سر پہ عمامہ ہے، نہ ہے دوش پہ چادر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنتِ پیمبر! مرنے کو پسر جاتا ہے، برباد ہوا گھر
ترسیں گے وہ پانی کو، جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اب اور مرے بچّوں کے گلے ہیں

سن کر یہ بیاں باپ کا، مادر کی زبانی رو رو کے پکارا اسد اللہ کا جانی
ہاں والدہ، سچ ہے، نہ ملے گا مجھے پانی پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی
بچپن میں کیا تھا مرا ماتم شہِ دیں نے
نانا کو خبر دی تھی مری روحِ امیں نے

پہلو میں جو تھی فاطمہ کے، تربتِ شبّر — اُس قبر سے لپٹے یہ محبت شہِ صفدر
چلّائے کہ شبیر کی رخصت ہے، برادر! — حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسّر
قبر میں بھی جدا ہیں تہِ افلاک ہمارے
دیکھیں ہمیں لے جاتے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے، چلے قبرِ حسن سے شہِ مظلوم — رہ وار جو مانگا، تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم — چلّاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

جب اُٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم — سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
برپا تھا جنازے پہ علی کے یوں ہی ماتم — تھا رحلتِ شبّر میں محبوں کا یہی غم
بس آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ
اب پنجتنِ پاک سے خالی ہے مدینہ

چلّاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہ کی سواری — لے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری — مضطر تھے اپاہج، ضُعفا کرتے تھے زاری
کہتے تھے گدا، ہم کو غنی کون کرے گا
محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

تھا ناکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت — سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا، جسے کرتے تھے رخصت — پائیں گے کہاں ہم، یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہم راہ چلیں گے

قسمیں اُنھیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ تکلیف تمھیں ہوتی ہے، اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں، آنسو نہ بہاؤ پھرنے کے نہیں، ہم سے بس اب ہاتھ اُٹھاؤ
اِس بے کس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو، مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے، شاہ سدھارے جو صاحبِ قسمت تھے، وہ ہم راہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے عابد طرف خانۂ اللہ سدھارے
اُترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

روشن ہوئی کعبے کی زمیں نورِ خدا سے مکے نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
جُھک جُھک کے ملے سبطِ پیمبر، غُربا سے آباد ہوا شہر، نمازوں کی صدا سے
خوش ہوکے، ہوا خواہ یہ کہتے تھے علی کے
سب باپ کی خو بو ہے نواسے میں نبی کے

کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام کوفے سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
اعدا نے گزرنے نہ دیے حج کے بھی ایام کھولا پسرِ فاطمہ نے باندھ کے احرام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتمِ ذی حجہ کہ راہی ہوئے حضرت

جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
قبریں نظر آئیں کسی صحرا میں جو دوچار فرماتے تھے شہ، فاعتبروا یا اُولی الابصار
جز خاک، نہ ہوئے گا نشاں بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا

احباب کہیں، گھر ہے کہیں، آپ کہیں ہیں　　آتے تو زمیں پر تھے، پر اب زیرِ زمیں ہیں
خالی ہیں مکاں، آپ تہِ خاک مکیں ہیں　　جو دور نہ رہتے تھے، وہ اب پاس نہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہنچے نہ وطن میں
کیا منہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

باتیں تھیں یہی یاس کی اور درد کی تقریر　　منزل پہ بھی آرام سے سوتے تھے نہ شبّیر
شب کو کہیں اُترے، تو سحر کو ہوئے رہ گیر　　جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر
مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جنّ و بشر کو
جس طرح سے ڈھونڈھے کوئی معشوق کے گھر کو

ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ　　یوں پوچھتے تھے اُس سے بہ حسرت شہِ ذی جاہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ　　اک نہر سوا، جس میں ہو چشمہ، نہ کوئی چاہ
کیا ملتا ہے اُس دشت میں اور کیا نہیں ملتا
ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں، وہ صحرا نہیں ملتا

وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک!　　ہے سخت پُر اندوہ وہ صحرائے تہِ افلاک
ہنستا ہوا واں جائے، تو ہو جاتا ہے غم ناک　　سنتا ہوں، وہاں دن کو اُڑاتا ہے کوئی خاک
واں راتوں کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت، نہ غنی کی

چلاتی ہے عورت کوئی، ہے ہے مرے فرزند!　　اِس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دل بند　　پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند
پیارے! تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے، یہیں خنجر تری گردن پہ پھرے گا

اک شیرِ ترائی میں یہ چلّاتا ہے دن رات
کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے، ہیہات
کیا حال کہوں نہر کا، اے شاہِ خوش اوقات
پانی تو نہیں شور، پہ مشہور ہے یہ بات
طائر بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں پیتے
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

اُس جا نہ اُترتا ہے، نہ دم لیتا ہے رہ گیر
ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
پیاسوں کے لیے اُس کی ہر اک موج ہے شمشیر
اس طرح ہوا چلتی ہے، جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بو آتی ہے اُس نہر کے پانی میں، لہو کی

اُس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم
اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اُسے ہم
عاشق پہ بلا بعدِ بلا آتی ہے ہر دم
غم اور بڑھا، وصل کا عرصہ جو رہا کم
آفت یہ نئی فوجِ شہنشاہ میں آئی
مسلم کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جاں کاہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے، پیٹے حرمِ شاہ
فرماتے تھے شہ، سب کو ہے درپیش یہی راہ
ہوگا وہی، اللہ کو جو مدِّ نظر ہے
آج اُن کا ہوا کوچ، کل اپنا بھی سفر ہے

وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال
محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
روتے تھے بہن کے لیے، عبّاسِ خوش اقبال
وہ کہتی تھی، ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دو لال
پوچھو تو، کدھر وہ مرے پیارے گئے دونوں
فرماتے تھے شبیّر، کہ مارے گئے دونوں

محمل تھے سب اُس بی بی کے ہودج کے برابر
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیر کی خواہر
گھبرا گئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر
ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
کیوں پیٹتی ہو، کون جدا ہو گیا امّاں!
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا امّاں!

اُس دن سے تو اک ابرِ غم فوج پہ چھایا
کھانا کئی دن قافلے والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جایا
جو چاند محرّم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہِ نو لشکرِ شبیر میں دیکھا
مُنہ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

خویش و رُفقا چاند کی تسلیم کو آئے
مُجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
یہ چاند مبارک ہو، یدُاللہ کے جائے!
کفّار پہ تو فتح اِسی چاند میں پائے
رُتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا
تا حشر زمانے میں اُجالا رہے تیرا

حضرت نے دُعا پڑھ کے، یہ کی حق سے مناجات
کر رحم گنہ گاروں پہ اے قاضیِ حاجات!
سر دینے کا مشتاق ہوں، عالم ہے تری ذات
خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں، وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

پہنچا دے مجھے جلد بس اے خالقِ افلاک
اُس خاک پہ، جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قرب کا سبطِ شہِ لولاک
نہ ملک کی خواہش ہے، نہ درکار ہے املاک
بے تاب ہے دل، صبر کا یارا نہیں مجھ کو
اب فصل بہ جز وصل گوارا نہیں مجھ کو

اتنے میں یہ فِضّہ، علی اکبر کو پکاری — لو دیکھ چکیں چاندِ یداللہ کی پیاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمہاری — آنکھوں کو کیے بند، یہ فرماتی ہیں، واری
آئے تو رُخِ اکبرِ ذی قدر کو دیکھوں
شکلِ مہِ نو دیکھ چکی، بدر کو دیکھوں

شہ داخلِ خیمہ ہوئے فرزند کے ہم راہ — مُنہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنتِ یدُ اللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا، اے فاطمہ کے ماہ! — فرمانے لگے رو کے، بہن سے شہِ ذی جاہ
سر تن سے مرا اِس مہِ پُرغم میں کٹے گا
زینب! یہ مہینا تمھیں ماتم میں کٹے گا

یہ آلِ نبی کی ہے مصیبت کا مہینا — یہ ظلم کا عشرہ ہے، یہ آفت کا مہینا
پہنچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا — آخر ہے بس اب عُمر کی مدّت کا مہینا
یہ بارِ امانت مری گردن سے اُتر جائے
ہو خاتمہ بالخیر، جو سر تن سے اُتر جائے

غش ہو گئی سُن کر یہ بیاں زینبِ پُرغم — خیمے میں اُسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم — خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا، وہی جنگل نظر آیا
تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

اُترے اُسی میدانِ بلاخیز میں سرور — اِستادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبر
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبر — دریا پہ ٹہلنے لگے عباسِ دلاور
شہ بولے، ہوا نہر کی، بھائی! تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو، دریا کی ترائی تمھیں بھائی

خامے کو بس اب روک انیسؔ جگر افگار　　خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار　　غیر از غمِ شہ، اُن کو نہ غم ہو کوئی زنہار

آنکھوں سے مزارِ شہِ دل گیر کو دیکھیں
اِس سال میں بس روضۂ شبیرؔ کو دیکھیں

بہ خدا، فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر   ایک دو لاکھ سواروں میں، بہادر تھا حُر
نارِ دوزخ سے، ابوذر کی طرح حُر تھا حُر   گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو، وہ دُر تھا حُر
ڈھونڈھ لی راہِ خدا، کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی، تو انجام بھی کیا نیک ہوا

واہ رے طالعِ بیدار، زہے عزّت و جاہ   حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا، اللہ اللہ
پیشوائی کو گئے آپ شہِ عرش پناہ   خضرِ قسمت نے بتا دی اُسے فردوس کی راہ
مدّتوں دُور رہے جو، وہ قریب ایسا ہو!
بخت ایسے ہوں، اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

آیا کس شان سے کعبے کی طرف چھوڑ کے دیر   کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اُسے غیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر   فتنہ و شر سے بچا، ہو گیا انجام بخیر
ذکرِ خیر اُس کے موئے پر بھی ہوئے جاتے ہیں
عملِ نیک ہر اِک وقت میں کام آتے ہیں

حُر کہاں، اور کہاں احمدِ مُرسل کا خلف   بخت نے دَیر سے پہنچا دیا کعبے کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے میں، تو پائے یہ شرف   جب کہ آنکھیں ہوئیں حق بیں، تو ملا دُرِّ نجف
نیک جو امر ہیں، دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے، تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

وصفِ تحریر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور   آمد آمد کی بہادر کا سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور   مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا، جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ! زمیں پر بھی ستارے نکلے

کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودِ اللہ   کوئی ہم طلعتِ خورشید، کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ   چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباس نے یاں سبز علم کھول دیا

ہو گئے سرخ شجاعت سے رخِ آلِ نبی   آئی ٹھنڈی جو ہوا، بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا ہوا، بجنے لگے باجے عربی   یکہ تازوں نے کیا شورِ مبارز طلبی
اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے   نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماں دار بڑھے   بولے شہ، یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں، سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن کہہ کے، مخاطب ہوئے اعدا سے امام   اے سپاہِ عرب و روم و رے و کوفہ و شام!
تم پہ کرتا ہے حسین آخری حجت کو تمام   پسرِ مصحفِ ناطق ہوں، سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا، مناسب ہو تو موقوف کرو

یہ صدا سنتے ہی، خود رک گیا قرنا کا خروش
تھم گیا طبلِ وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش
یا بجاتے کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا اُن کو سرودوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ علی، سُرمۂ آوازہ ہوا!

کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم جب اک بار
یوں گہر بار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہِ ناہنجار!
قتلِ سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار!
وطن آواروں پہ یہ قہر ہے کیوں پانی کا؟
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا!

مجھ کو لڑنا نہیں منظور، یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو تم نے، تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو
دیکھو، اچھا نہیں یہ ظلم، برا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں، اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں
میں ہوں خالق کی قسم، دوشِ محمدؐ کا مکیں
میں ہوں انگشترِ پیغمبرِ خاتم کا نگیں
مجھ سے روشن ہے فلک، مجھ سے منور ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

قلزمِ عز و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں
سب جہاں زیرِ نگیں ہے، وہ جہاں دار ہوں میں
آج گو مصلحتہً بے کس و ناچار ہوں میں
ورثۂ احمدِ مختار کا، مختار ہوں میں
بخدا، دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

یہ قبا کس کی ہے، بتلاؤ، یہ کس کی دستار — یہ زرہ کس کی ہے، پہنے ہوں جو میں سینہ فگار؟
بر میں کس کا ہے یہ چار آئنۂ جوہر دار — کس کا رہوار ہے یہ، آج میں جس پر ہوں سوار؟
کس کا یہ خود ہے، یہ تیغِ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کماں ہے، یہ سپر کس کی ہے؟

تنگ آئے گا تو رُکنے کا نہیں پھر شبّیر — ایک حملے میں فنا ہوں گے یہ دو لاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ، نہ تلوار، نہ تیر — کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ بُرّاں شمشیر
شیر ہوں، لختِ دلِ غالبِ ہر غالب ہوں
میں جگر بندِ علی ابنِ ابی طالب ہوں

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ اُمّت کا خیال — روک لیتا مجھے رستے میں، یہ تھی حُر کی مجال!
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال! — پوچھ لو، دیکھا ہے اُس نے مرے شیروں کا جلال
گفت گو میں سپر اُس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اِک وار میں پہنچوں سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہونٹھ چباتے تھے علی کے دِلدار — نیچے توڑتے تھے عون و محمد ہر بار
اُنگلی پڑتی تھی جگر بندِ حسن کی تلوار — میں نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرّار
چلتی تلوار، تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا، نہ رسالا ہوتا

تھا یہ بپھرا ہوا عبّاس، مرا شیرِ جواں — سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ لے بھائی جاں — رحم لازم ہے ہمیں، ہم ہیں امامِ دو جہاں
کچھ تردّد نہیں، سر تن سے اُتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں اہلِ سخا کے شایاں — کہ کسی شخص کو کچھ دے کے، کرے سب پہ عیاں
پوچھ لو، حُر تو ہے موجود، عیاں را چہ بیاں — اسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں
شور تھا، آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

زیست ہر شے کی ہے پانی سے، شجر ہو کہ بشر — مجھ سے دیکھا نہ گیا، میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عباسِ دلاور سے کہا گھبرا کر — مشکوں والے ہیں کہاں، اونٹ ہیں پانی کے کدھر؟
کرمِ ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی!
جتنا پانی ہے، وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی!

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا، کوئی ناقہ بے آب — چھاگلیں جلد منگاؤ، مرا دل ہے بے تاب
سقے، مشکیزوں کے منہ کھول کے آئے بشتاب — متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کارِ ثواب
چین آیا نہ مجھے، بے انھیں آرام دیے
تھا جو اک جام کا پیاسا، اُسے دو جام دیے

تھی یہی فصل، یہی دھوپ، یہی گرم ہوا — ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا — سقے بھر بھر کے کٹوروں کو، یہ دیتے تھے صدا
بھائیو، آؤ، جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیضِ حسین ابنِ علی جاری ہے

آبِ شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں — فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ دہاں
شکر کرنے لگی تر ہو کے، ہر اک خشک زباں — پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا، ابنِ یداللہ نے جاں بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

ایک دن وہ تھا، اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ
کہ اُسی طرح، ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
چشمِ امید ہو گیا، سب نے پھرائی ہے نگاہ
کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ
ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

کئی طفل ان میں ہیں کم سن کہ موئے جاتے ہیں
دم اکھڑتا ہے مرا، جب انھیں غش آتے ہیں
پانی پانی جو وہ کرتے ہیں، تو شرماتے ہیں
پاس دریا ہے، پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
عمرِ سعد نے کی مڑ کے رخِ حر پہ نگاہ
بولا وہ، اشہد باللہ، بجا کہتے ہیں شاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیوں کر کوئی منکر ہو جائے
سخنِ حق میں جو شک لائے، وہ کافر ہو جائے

ایک میں کیا ہوں، زمانے پہ ہے احساں ان کا
ابرِ رحمت ہیں، خطا پوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پر ہے کرم خلق میں یکساں ان کا
اے خوشا حال، جو غربت میں ہو مہماں ان کا
جنتی ہے، جسے حاصل یہ شرف ہووے گا
جو ادھر ہو گا، خدا اس کی طرف ہووے گا

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہیں
ہیں سخی ابنِ سخی، بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں
یاں تو زر دیتے ہیں، فردوس میں گھر دیتے ہیں
آس مجرم کی، گنہ گار کی امید ہیں یہ
ذرہ پرور جنھیں کہتے ہیں، وہ خورشید ہیں یہ

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمرِ سعدِ شریر
یہ تو ہے صاف طرف داریِ شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر، نہ تعریفِ امیر
اللہ اللہ، یہ اوصاف، یہ مدحِ شبّیر!
سُن چکا ہوں میں کہ مضطر ہے کئی راتوں سے
اُلفتِ شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

نہ وہ آنکھیں، نہ وہ چتون، نہ وہ تیور، نہ مزاج
سیدھی باتوں میں بگڑنا، یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج؟
جن کو سمجھا ہے غنی دل میں، وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

میں جہاں دیدہ ہوں، سب مجھ کو خبر ہے تیری
قرۃُ العینِ محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹھ بھی خشک ہیں، اور چشم بھی تر ہے تیری
جسم خالی ہے اِدھر، جان اُدھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تو نے فرزندِ یدُاللہ سے سازش کی ہے

خیر، مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور
لکھیں گے، عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکمِ شام ہے جابر، وہ سزا دے گا ضرور
گر تجھے دار پہ کھینچے، تو کچھ اُس سے نہیں دُور
سب تری قوم کے سر، تن سے جُدا ہوئیں گے
زن و فرزند گرفتارِ بلا ہوئیں گے

حُر پکارا کہ زباں بند کر، او ناہموار
قابلِ لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار
ابنِ زہراؑ ہے جگر بندِ رسولِ مختار
میرا کیا مُنہ، جو کروں مدحِ امامِ ابرار
اِک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
آپ قرآں میں خُدا اُن کی ثنا کرتا ہے

وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے ۔۔۔ تین سو آیے ہوں تعریف میں جن کی آئے
کسی انساں نے یہ دنیا میں ہیں رتبے پائے ۔۔۔ اپنا محبوب و ولی جس کو خدا فرمائے
اُلفتِ آل میں مر لیے تو خوش اقبالی ہے
ننگ ہے، اِن کی محبت سے جو دل خالی ہے

دولتِ عالمِ دوں پر ہے ترا دار و مدار ۔۔۔ دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیں دار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدّار ۔۔۔ خوابِ غفلت سے ہے اُسے اور مرے طالع بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہو گا
دارِ طوبا کا مرے فرق پہ سایا ہو گا

عملِ نیک سے بہکا نہ مجھے او ابلیس! ۔۔۔ یہی کونین کا مالک ہے، یہی داس و رئیس
کیا مجھے دے گا ترا حاکمِ ملعون و خسیس ۔۔۔ کچھ تردد نہیں، کہہ دے کہ لکھیں پرچہ نویس
ہاں، سوے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں
لے ستم گر، جو نہ جاتا تھا، تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ، ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار ۔۔۔ سُرخ آنکھیں ہوئیں، ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرفِ فوجِ امامِ ابرار ۔۔۔ پانو رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر رہ وار
غُل ہوا، سیّدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو، طرفِ دارِ حُسین ابنِ علی جاتا ہے

حُر نے نعرہ کیا، یا حیدرِ صفدر، مددے! ۔۔۔ وقتِ امداد ہے، یا فاتحِ خیبر، مددے!
زوجِ زہرا مددے! نفسِ پیمبر مددے! ۔۔۔ بندۂ آل ہوں، یا خواجۂ قنبر، مددے!
تنِ تنہا ہے غلام، اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حُر! ترے حامی ہم ہیں

مل گئی راہِ خدا، واہ رے اقبال ترا   پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جرمِ ماضی ہوئے سب عفو، خوشا حال ترا   جلد جا جلد، کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے، جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہوئے
ہاں بہادر، تری توفیق زیادہ ہوئے!

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جواں   درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں   شور کوثر پہ ہے، شبیر کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہ، آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

اور بالیدہ ہوا سن کے یہ مژدہ، وہ حر بر   دلِ بے تاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر   قعرِ دوزخ ہے مسلماں کے لیے صحبتِ گبر
ہاں اٹھا باگ جو شیدائے شہِ عالی ہے
فوجِ اللہ و نبی میں تری جا خالی ہے

سن کے یہ، باگ جو لی، اسپ سبک تاز اڑا   ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اڑا
کیا اڑا رخش کہ طاؤس بہ صد ناز اڑا   دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اڑا
باغِ زہرا میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا، دربارِ سلیماں میں پری جاتی ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند   حر کا ہاتھ آنا تو کیسا، نہ ملی گردِ سمند
کہتے تھے شرم سے وہ، لے کے جو دوڑے تھے کمند   یہ چھلاوا تھا کہ آندھی، یہ فرس تھا کہ پرند
کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی
ہم یہیں رہ گئے، واں حر کی سواری پہنچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے شہِ دیں آگاہ — ہنس کے عباسؑ سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ!
میرے لشکر کی طرف ہے رُخِ حُرِّ ذی جاہ — سب سے کہ دو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جائیے لینے کو، عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں، مرا عاشق، مرے پاس آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار — الغیاث، اے جگر و جانِ رسولِ مختار!
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار — عفو کر عفو کر، اے چشمۂ فیضِ غفار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے میں بہشتی ہو جائے

کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشاہ — مدد اے نوحِ غریباں، مرا بیڑا ہے تباہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ — شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
ابرِ رحمت کی طرف جا، یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

اے مددگار و معینُ الضُّعفا، اَدرِکنی! — اے خبرگیرِ گروہِ غربا، اَدرِکنی
پانو لغزش میں ہیں اے دستِ خدا، اَدرِکنی — ہاتھ باندھے ہوں میں، اے عقدہ کشا، اَدرِکنی
دیجیے حُر کو سند، نار سے آزادی کی
آئیے، جلد خبر لیجیے فریادی کی

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو بادیدۂ نم — آگیا جوش میں اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلائے شہنشاہِ اُمم — حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اس دم
شکر کر، سبطِ رسولُ الثقلین آتے ہیں
اے بہادر! ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیّر　　دوڑ کر چوم لیے پائے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا، اے با توقیر!　　میں نے بخشی، مرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں، کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباس دلاور کے برابر ہے تو

حُر پکارا، بابی انت و اُمّی یا شاہ　　قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گم راہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ!　　سب ہے صدقہ انھی قدموں کا، خدا ہے آگاہ
مہر ذرّے پہ جو ہو، نیّرِ تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیماں ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب　　دے کسی شخص کو، بندے میں یہ مقدور ہے کب
اُس مسبّب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب　　وہی منعم، وہی محسن، وہی رازق، وہی رب
اپنے کیسے سے نہ دام اور درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

کہہ کے یہ، ساتھ لیے حُر کو چلے شاہِ اُمم　　ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا، اللہ رے کرم
راس و چپ قاسم و اکبر تھے، زہے شان و حشم　　سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباس علم
دور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رُفقا، سایے میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

لائے اِس عزّت و حرمت سے جو مہماں کو امام　　بولے عباس، کمر کھول اب اے نیک انجام
شہ نے فرمایا، مناسب ہے کوئی دم آرام　　عرض کی حُر نے، کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اِس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ — ایک ہی وار میں دونوں کو کروں گا چورنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ — شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہیں ایسا نہ ہو، بچہ کوئی بے جاں ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری — مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
وا دریغا! ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری — خیر، فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہوگا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہوگا

تجھ پہ مخفی نہیں، ہفتم سے جو کچھ ہے مرا حال — راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں، گندم کا ہے کال — نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریے میں محال
سب کو ایذا، عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ عابد کو، نہ اصغر کو دوا ملتی ہے

حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بہ ادب — شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ، رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب — شاہ بولے کہ عجب دوست چھٹا، ہائے غضب
دم بہ دم یاں سے جو آوازِ بُکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

حُر چلا فوجِ مخالف پہ اُڑا کر توسن — چوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت، وہ غضب کی چتون — ہاتھ میں تیغ، کماں دوش پہ، بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

زورِ بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے
دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
برچھیوں اُڑتا تھا، دب دب کے فرس رانوں سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خودِ رومی کی جو ضَو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

نیزۂ حُر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجز پناہ
آفتابی وہ سپر، جس سے خجل گِردۂ ماہ
قدر اندازوں کو جانوں کے اُدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے، آگ کے پرکالے تھے

رَن میں جب شہ کی طرف سے حُرِ دیں دار آیا
کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
غُل ہوا، سیّدِ مظلوم کا غم خوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرّار آیا
شفقِ نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور
پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا، پر اب اور ظہور
اے خوشا رتبۂ فیضِ قدمِ پاکِ حضور
غُل تھا، آتا ہے ملک، پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ وِلا، دل کو جِلا کرتی ہے
مِس کو اک آن میں اِکسیر، طلا کرتی ہے

واہ کیا فیض ہے سرکارِ شہِ عالم میں
ذرّۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا، نہ بنیِ آدم میں
یہ وہی حُر جری ہے، جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوش بو، رُخِ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاکِ نعلینِ مبارک کی، عجب غازہ ہے

حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو، بے شک، لاریب — دامنِ حضرتِ شبّیر نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب — بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پا کر، پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا، واں سے غنی آیا ہوں

مجھ کو خورشید کیا، نورِ خدا کی ضَو نے — نور بخشا، قمرِ فاطمہ کے پَرتو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے، غلامِ نَو نے — گنج وہ لایا ہوں، دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دَور دَور آج سے میرا ہے، زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہونے کا خزانہ میرا

رُخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے — مُل کے آیا ہوں مُنہ اپنا قدمِ حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے — وائے وہ لوگ جو محروم ہیں اِس دولت سے
مجھ کو بھی دیکھ کے، بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب، آنکھیں تو رکھتے ہو مگر سوتے ہو

جانِ سلطانِ ریاست کو غنیمت جانو — پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
قمرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو — نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
ساتھ اِس کے برکت خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈھو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

یہ سُخن سُن کے پکارا پسرِ سعدِ شریر — ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہِ کثیر — فاتحہ پڑھ کے، جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حُر کا مُنہ سُرخ ہوا، فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے، بجلی کی چمک گرد ہوئی

رعد تھرّا گیا، نعرے جو سُنے ضیغم کے استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے، فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں، ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ، فرس کو جو ذرا گرمایا غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا روند ڈالا اسے دم میں، جسے سرکش پایا
اُس کا قاتل تھا، جو دشمن شہِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرِ ذی جاہ چلی آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلیِٔ ظفر راہ چلی گہ تھمی، گاہ بڑھی، گاہ رُکی، گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

کیں صفیں صاف مگر مُنہ کی صفائی نہ گئی کج ادائی کو نہ چھوڑا، وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ دکھائی نہ گئی سیکڑوں خون کیے، اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا، برق پہ یہ جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو، اجل بن کے پری نکلی ہے

آئی جس غول پہ، لاشوں سے زمیں پاٹ گئی دست و پا، صدر و کمر، گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ اُسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی، نہ بے جان لیے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

گُل نے پھولے جو برچھی پہ لگا پھل اس کا
زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اس کا
جو بڑھا جنگ کو، قصہ ہوا فیصل اس کا
شور تھا، دیکھیے کیوں کر یہ بلا ٹلتی ہے
اس قدر جلد تو سیفی بھی نہیں چلتی ہے

جنگ میں تیغ کو دعوا تھا کہ یکتا ہوں میں
سر اٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یارب! تہ و بالا ہوں میں
برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ، یا ہوں میں
کس میں ہے یہ، جو تڑپ زیرِ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارہ، یہ چمک میری ہے

نہ تھمی زنگ سے وہ اور نہ رکی آہن سے
ہاتھ اڑا لے گئی پہنچوں سے تو سر گردن سے
نہ اٹھی اس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے
چل گئی بادِ مخالف، جدھر آئی سن سے
جوشِ طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خون کے دریا میں ہر اک کشتیِ تن ڈوب گئی

کثرتِ جوہرِ ذاتی سے وہ گو جال میں تھی
پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی
کبھی مغفر میں، کبھی سر میں، کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لیے
تھی جگر کے لیے برچھی، تو چھری دل کے لیے

صید کرنے کو جسے صورتِ شہباز آئی
لاکھ تڑپا وہ، نہ بے جان کیے باز آئی
غل ہوا، شہپرِ شاہیں کے تلے تاز آئی
اڑ گیا طائرِ جاں اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لیے تھی اسے، پر چھوڑ دیا
تھا زبس صیدِ زبوں، کاٹ کے سر چھوڑ دیا

آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا
تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑھ نے، جادۂ صحرائے سقر دکھلایا
گھاٹ نے آئنۂ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی، درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا، قابضِ ارواح ہوں میں

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید
حُر کے ہاتھ آ گئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
بُرّش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید
جامۂ کفر کے پُرزے تھے، زہے قطع و بُرید
نہ بچا تارِ نفس خلق میں جینے کے لیے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لیے

شور تھا آگ ہے تلوار ہیں، یا پانی ہے
جل بجھے کشتیِ تن خون میں طوفانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ، زور میں لاثانی ہے
کہتا تھا حُر یہ فقط قوتِ ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبطِ پیمبر کی دعا کی طاقت

کہ کے یہ، فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
ورطۂ قلزمِ آفت میں گہر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گُلِ تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں، کبھی تیروں میں

گہ چھپا اور گہے نکلا وہ مہِ بُرجِ شرف
گہے اِس صف میں در آیا، گہے روندی وہ صف
گہے دریا کے کنارے، گہے صحرا کی طرف
گہے نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہِ نجف!
جتنے مجروح تھے، دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی، نامِ علیؑ سُن کے دہل جاتے تھے

نخل تھرّاتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل — سر کی جاتی تھی زمیں رن کی، غضب تھی ہل چل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیرِ اجل — منہ کے بھل گرتا تھا کوئی، تو کوئی سر کے بھل

حشر برپا تھا سواروں پہ، فرس لوٹتے تھے
دو پہ چار، ایک پہ دو، پانچ پہ دس لوٹتے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ، تِرے ہمت وجلا — بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دل برِ شاہ
کہتے تھے ابنِ حسنؑ، واہ حُرِ غازی واہ! — شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے، ماشاءاللہ

اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف، جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی — سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھوں خوں ریز اُدھر، اور اِدھر تنہائی — باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی

آگیا موت کے پنجے میں، نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا، دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا، تیر چلے اعدا کے — رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلا کے — گر ہو ارشاد تو مہماں کو سنبھالوں جا کے

خادمِ حضرتِ زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر اب وہ سعیدِ ازلی گرتا ہے

شاہ رونے لگے، یہ سنتے ہی مہماں کی خبر — ہو گئی آنسوؤں سے ریشِ مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا، تم ابھی ٹھہرو دل بر! — حُر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر

کس سے اس وقت کہوں میں، جو قلق مجھ پر ہے
لاش مہماں کی اٹھاؤں گا کہ حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرتِ عباسؑ نے جاتا ہے غلام — جوشِ رقّت میں کہا شہ نے، نہیں اے گل فام
میری اُلفت میں ہوا قتل حُرِ نیک انجام — دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئے نہ کام
اُس پہ جب سخت گھڑی ہو گی تو کام آئیں گے
لاش کیا، قبر میں مہمان کی ہم جائیں گے

اُس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروّت سے ہے دُور — اُس سے ہم شاد ہوئے، وہ بھی تو کچھ ہو مسرور
قصرِ خلد اُس کو دکھائیں کہ ہوئے عفو قصور — سُرخ رُو جاتا ہے دُنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رُتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

یہ سخن کہہ کے، چلے رَن کو جنابِ شبّیر — واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ با توقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے، بھاگے بے پیر — پہنچے لاشے پہ امامِ دو جہاں وقتِ اخیر
چمنِ ہستیِ مہماں کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر، یہ پکارے سرور — میرے مہمان و مددگار و معین و یاور!
گُرز کیا تجھ کو لگا، ٹوٹ گئی میری کمر — گر پڑا گھوڑے سے اور آہ نہ کی مجھ کو خبر
دوست کے ہجر میں کس دوست کو چین آیا ہے
کھول دے آنکھوں کو بھائی کہ حُسینؑ آیا ہے

واہ رے حُرِ جری میں تری ہمت کے فدا — اس کو کہتے ہیں محبت، اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بےکس ترا شرمندۂ احساں بخُدا — بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں، جو کچھ تو نے کیا
حق تعالیٰ چمنِ خلد میں گھر دے بھائی!
اِس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی!

حُر کو چونکا کے، حبیب ابنِ مظاہر نے کہا
آپ بے تاب ہیں اے حُرِّ جری ہوش میں آ
دیکھ دیدارِ جگر بندِ جنابِ زہرا
کوچ درپیش ہے، یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے
نزع میں نورِ الٰہی کی زیارت کر لے

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیرِ غلام!
دیکھ تو رحم، ترے واسطے روتے ہیں امام
بھائی فرماتے ہیں شفقت سے شہِ عرش مقام
اے خوشا حال، خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکرِ غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے کچھ تیز رہا

نیم وا چشم سے حُر نے رُخِ مولا دیکھا
زیرِ سر، زانوئے شبیر کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُرِّ جری، کیا دیکھا؟
عرض کی، حُسنِ رُخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

باغِ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار
صاف نہریں ہیں رواں، جھوم رہے ہیں اشجار
شاخوں سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار
حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار
ہے یہ رضواں کی صدا، دھیان کدھر تیرا ہے
دیکھ لے شاہ کے مہمان! یہ گھر تیرا ہے

قبلہ رُو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں
پڑھیے یٰسٓ کہ اب ہے یہ دمِ بازپسیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اُڑھا دیجیے، مولا، مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ، گود میں شبّیر کی لی انگڑائی　　　آیا ماتھے پہ عرق، چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا، ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی!　　　چل بسے حُرِّ جری، پھر نہ کچھ آواز آئی

طائرِ رُوح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پُتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

بس انیس، اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِ عباد　　　لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہِ والا کے رہیں خلق میں شاد　　　اُن کے سایے میں برومند ہو اُن کی اولاد

عشرۂ ماہِ عزا، نالہ کشی میں گزرے
سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گزرے

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح　　　گل زارِ شب خزاں ہوا، آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک، زرِ انجم، نثارِ صبح　　　سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے، طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کِھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بہ دم　　　مرغانِ صبح کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر، وہ موجوں کا پیچ و خم　　　سردی ہوائیں، پر نہ زیادہ بہت، نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نورِ صبح، اور وہ صحرا، وہ سبزہ زار　　　تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار　　　کوکو وہ قمریوں کی، وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی، وہ صبح کا سماں　　　تھا جس کی ضَو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں　　　نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

وہ پھولنا شفق کا، وہ مینائے لاجورد ـــ مخمل سی وہ گیاہ، وہ گُل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد ـــ یہ خوف تھا کہ دامنِ گُل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ، چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا، سبزہ کچھار کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب ـــ نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب ـــ رُوتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ ـــ ہر سو جما رہا صفیں شمرِ رو سیاہ
گیتی کو تہلکہ تھا، یہ تھی کثرتِ سپاہ ـــ ممکن نہ تھا کہ ہو گذرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفان آبِ تیغ اٹھا تھا فرات پر

اِک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر ـــ لچکا رہے تھے ڈانڈے سوارانِ خیرہ سر
وہ بوڑیاں، جو سنگ کے دل میں کریں گزر ـــ اَنیاں وہ، توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لیے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبیرؑ کے لیے

جب بندھ چکیں صفیں، تو علم کھل گئے تمام ـــ غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام
حلقے میں اہلِ بیت کے روتے تھے یاں امام ـــ لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
بکھرائے سر کے بال، حرم ساتھ ساتھ تھے
پٹکے میں شاہِ دیں کے، سکینہ کے ہاتھ تھے

زینب بلک رہی تھی، پریشاں تھے سر کے بال — نعلین کا نہ ہوش، نہ چادر کا تھا خیال
سینہ کبود، چاک گریباں، شکستہ حال — کہتی تھی، مجھ پہ رحم کر اے فاطمہ کے لال!

پوچھے گا کون، ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب، نہ باپ کا

زینب کے اضطراب پہ شبّر روتے زار زار — فرمایا، اے بہن! تری الفت کے میں نثار
یاد آگیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار — لیکن میں کیا کروں، نہیں کچھ میرا اختیار

واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہے
بہنا! حسینؑ، مخبرِ صادق کا لال ہے

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے، کریں گے ہم — کھائیں گے تیرِ ظلم، لہو میں بھریں گے ہم
حلق اپنا زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم — امّت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم

اب ہاتھ اٹھاؤ فاطمہ کے نورِ عین سے
ہوگی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

یہ سُن کے، گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر — لپٹا لیا گلے سے بہن کو بہ چشمِ تر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر — زینب! خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر

خاصانِ حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر، خدا کو پسند ہے

فرما کے یہ، سکینہ کے منہ پر نگاہ کی — گودی میں لے لیا اسے اور دل سے آہ کی
بولی، بلائیں لے کے وہ رخسارِ شاہ کی — سمجھی میں، آخری یہ نگاہیں ہیں، چاہ کی

رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ، مجھے گھر میں چھوڑ کے

معلوم ہوگیا کہ نہ اب آیئے گا آپ ۔ چھاتی پہ سونے والی کو، تڑپایئے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے، تو نہ اب پایئے گا آپ ۔ میں اپنی جان دے دوں گی، اگر جایئے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہے
اچھا سدھارو، گر مرا مرنا قبول ہے

مُنہ چوم کے، یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال ۔ صدقے عقیقِ لب پہ ترے، فاطمہ کا لال
معلوم ہے حسین کو بی بی تمھارا حال ۔ کیوں کر نہ روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
اِن برگِ گل سے ہونٹھوں کے صدقے اِمام ہو
سولہ پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

تدبیر اک نکالی ہے، آنسو نہ اب بہاؤ ۔ ہم پانی لینے جاتے ہیں، تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زباں دکھاکے، نہ شبّیر کو رُلاؤ ۔ بی بی! دُعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اُٹھاؤ
حق سے کہو، بتول کے جانی پہ رحم کر
یارب! ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

ناچار شہ کی گودی سے اتری وہ رشکِ حور ۔ روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنیِ آفتابِ نور ۔ پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہوگئے تمام نمازی سلام کو

حق کے ولی، مصاحبِ سردارِ انس و جن ۔ کوئی جواں، کوئی متوسط، کوئی مُسِن
فاقوں میں باحواس، لڑائی میں مطمئن ۔ کہتے تھے، روزِ قتل، ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسین پہ رن میں تو عید ہو

وہ گورے گورے جسم، قبائیں وہ تنگ تنگ — جن کی صفا کو دیکھ کے، ہو آئنہ بھی دنگ
بلور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ — جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں، تو الٹ دیں زمین کو

تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار — تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بے قرار
جاں باز، سرفروش، بہادر، وفا شعار — ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہرچند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

خلق و مروّتِ حسنی اُن پہ ختم تھی — حسن اُن پہ ختم، گل بدنی اُن پہ ختم تھی
زور اُن پہ ختم، تیغ زنی اُن پہ ختم تھی — ہر معرکے میں صف شکنی اُن پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے، جری تھے، دلیر تھے
جس میں علی رہے، اسی بیشے کے شیر تھے

ان سب گلوں میں اِک علی اکبر سا گل بدن — تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار سے بہم تھے جو گیسوئے پُر شکن — حیراں تھے سب کہ مل گئے کیوں کر حلب ختن
سرخی تھی لب پہ، گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بہ دم — عرصہ ہے کیا، سوار ہوں اب قبلۂ اُمم
آمادۂ وغا ہے اُدھر لشکرِ ستم — دشمن اگر بہت ہیں، تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد، برقِ تیغ سے جل جائیں تو سہی
دب دب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب
صدقے ترے جلال کے، اے میرے آفتاب!
دو روز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب
جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبر، ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شیروں کے داغ کی
پیارے، میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قربانِ احتشامِ علم دارِ حق پژوہ
لرزاں تھا جس جری کے تہوّر سے دشت وکوہ
سردار صفدروں کا، دلیروں کا سرگروہ
حمزہ کا دبدبہ، اسد اللہ کی شکوہ
دل کانپتے تھے، دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے

اِک سو چراغِ محفلِ شبّر تھا جلوہ گر
روشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر
تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
جرأت نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
شملہ چُھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں
کہتے تھے، خوں بہائیں گے ہم اِس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں
اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں، آئینہ ماہ کو

تھے پہلوئے حُسینؑ میں زینبؑ کے دونوں لال
گویا قرینِ بدر تھے، دو نجم بے مثال
کاندھوں پہ نیمچے نظر آتے تھے دو ہلال
ظاہر تھا چتونوں سے یدُاللہ کا جلال
نو دس برس کا سن تھا، مگر کیا دلیر تھے
بچّے بھی نیّرِ حق کے گھرانے کے، شیر تھے

دونوں یتیم حضرتِ مُسلم تھے کیا عقیل　　حاضر تھے باادب عقبِ سرورِ جلیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل　　ہم کو نیوں کو ملیں گے، عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اِسی اعتقاد پر
لعنت خُدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

مہماں سے یہ سلوک، مسافر سے یہ دَغا!　　یہ ظلم اک غریب پہ، بے کس پہ یہ جفا!
لے جاکے بام پر سرِ انور کیا جُدا　　خندق میں تن کو پھینک دیا، وامصیبتا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی اب تک گڑی نہیں

اِس فوج میں یقیں ہے کہ ہوئے وہ روسیاہ　　مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
سنت پہ اُن غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ　　سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگ دل نے آہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغِ دو دم کریں
ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گل عذار　　جو صدرِ دیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار　　آگے بڑھے علم لیے عباسِ نام دار
پھولا ہوا چمن تھا اِمامِ اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ، علم کے ساتھ

اللہ رے فیضِ جلوۂ ابنِ شہِ نجف　　رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جمائے صف　　بس یک بہ یک بجا دُہُلِ جنگ اس طرف
گیتی لرز گئی، دلِ اوتاد ہل گئے
تیرِ ستم، کمانوں کے چلّوں سے ہل گئے

لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام
چلّے میں رکھ کے تیر، یہ سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام
میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسینؑ کا
کیا شاد ہوں، ہدف ہو جو سینا حسینؑ کا

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک، ہٹا شریر
یک بار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
بے جاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر
لاشوں پہ ان کے روئے امامِ فلک سریر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے
یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

جس وقت خاتمہ رُفقا کا ہوا بہ خیر
تھے پھر تو سب عزیز، نہ تھا ان میں کوئی غیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ، وحش و طیر
کرنے لگے عزیز بھی مُلکِ عدم کی سیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے، پوتے عقیل کے

راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر
نکلے وغا کو زینبِ ذی جاہ کے پسر
مانندِ شیرِ حق کیے حملے اِدھر اُدھر
کٹ کٹ کے نیمچوں سے گرے سرکشوں کے سر
الٹیں صفیں، جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

ناگاہ گھر میں آن کے فضہؔ نے دی خبر
لو کام آئے زینبِ ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں اکبر و عباسِ نامور
روتے ہیں بھانجوں کے لیے شاہِ بحر و بر
رن سے بہن کے بیٹوں کو، شبیرؑ لائیں گے
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

دوڑے حُسینؑ جانبِ مقتل باشک و آہ　　آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشکِ ماہ
مُردوں کو بھانجوں کے اٹھا لائے گھر میں شاہ　　سر پیٹنے اہلِ بیتِ رسولِ فلک پناہ
زینبؑ مگر نہ روئی ادب سے امام کے
چُپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب　　غیرت کا جوش آگیا قاسمؑ کی ماں کو تب
مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب　　ہم شکلِ مصطفےٰ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اُٹھی وہ خوش خصال　　قاسمؑ کو اپنے پاس بلایا بہ صد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبا کے لال　　کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
جاری ہیں اشکِ خوں مری چشمِ پُر آب سے
زینبؑ کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر لُٹ رہا ہے فاطمہؑ زہرا کا، ہائے ہائے　　دشمن وہ دوست ہے، جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے　　کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
مُنہ دیکھنے کو کیا تمھیں پالا ہے شاہ نے!

سب مر چکے، امامِ دو عالم کے اقربا　　باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا　　سر ان کے کٹ گئے، تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے

مادر کے منہ کو دیکھ کے، بولا وہ گل عذار — ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقتِ کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار — رخصت ہی وہ نہ دیں، تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے، کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ امم — رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اماں! مزارِ کشتۂ ستم کی ہمیں قسم — زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم
کیا دخل، ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عباس ہوں کہ اکبرِ عالی وقار ہوں

(مطلعِ دوم)

جب خیمۂ حسین سے نکلا حسن کا لال — دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ کر وہ خوش خصال — دیجے رضا لے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبطِ پیمبر! نہ روکیو
شبر نے دی صدا کہ برادر! نہ روکیو

لپٹا کے اس کو چھاتی سے بولے شہِ امم — پیارے! تمھارا داغ بھی دل پر رہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم — تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

یہ کہہ کے، دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار — روئے مثالِ ابر شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار — تسلیم کر کے، قاسمِ گل رو ہوا سوار
دولہا کے نورِ رخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو، تو بجلی چمک گئی

پہنچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر — نیزہ پکڑ کے، گھوڑے کو پھیرا اِدھر اُدھر
بولے عدو، یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر — خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رخِ پُر آب و تاب کی
سہرا بنی ہوئی ہے کرن آفتاب کی

ناگہ رجز یہ پڑھنے لگے قاسمِ جری — عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری؟
ہم حیدری ہیں، ہم میں ہے زورِ غضنفری — ہم سے ہے اوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضربِ شہِ خاص و عام کا
سکّہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

جد ہے مرا امیرِ عرب، شحنۂ نجف — ضرغامِ دیں، مُعینِ رسولانِ ماسلف
دادی، جنابِ فاطمہ زہرا سی ذی شرف — عمو، حسینؑ، صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دلِ حسنِ خوش خصال ہوں
ہیرے سے جو شہید ہوا اس کا لال ہوں

اُس کا پسر ہوں اے سپہِ مصر و روم و شام — گل زارِ فاطمہ کا ہے جو سروِ سبز فام
واللہ اُس کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام — تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جاں اس کی ہوں میں، جس کو نہ جا گیرِ جد ملی
پہلو میں مصطفٰے کے نہ جس کو لحد ملی

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے — تیر و سنان و نیزۂ و خنجر بہم چلے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دو دم چلے — اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اُٹھیں کہ دن، شبِ دیجور ہو گیا　　لامع جو برقِ تیغ ہوئی، نور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالمِ مقہور ہو گیا　　چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی، اِس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اُتر گئے

تھا ابنِ سعدِ شوم کو اُس دم بہت ہراس　　غرقِ سلاحِ ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس　　تو جا کے لڑ، تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رکتا ہے برچھیوں سے، نہ دامِ کمند سے
جلدی سناں پہ اِس کو اُٹھا لے سمند سے

کہنے لگا بگڑ کے وہ، باصد غرور و لاف　　تو آپ بے حواس ہے، تقصیر ہو معاف
یہ امر اے امیر! شجاعت کے ہے خلاف　　ہاں تب لڑوں، علی اگر آئیں پے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے، نام مٹا دوں جہان میں!

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے　　رستم کا زور، آگے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ، تہمتن کی ڈھال سے　　ناداں ہوں کیا، لڑوں میں جو اِس خرد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں، سور ہیں، صفدر ہیں، شیر ہیں

لکھا ہے، چار تھے پسرِ ازرقِ پلید　　دشمن تو آلِ پاک کے، شیطان کے مُرید
بولا یہ اُن کو دیکھ کے، وہ پیروِ یزید　　ہاں جا کے اِس یتیم کو جلدی کرو شہید
مِلواؤ قبر میں حَسنِ دل ملول کو
بیوہ بنا دو دخترِ سبطِ رسول کو

نکلا یہ بات سنتے ہی، اُن میں سے ایک یل ۔۔۔ پیچھے چلی شریر کے، ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل ۔۔۔ ہاں اے حَسَن کے لال، خبردار ہو، سنبھل!
کام آتے کچھ، تو نام شہِ ذوالفقار لے
پُشتی پہ ہو کوئی، تو مدد کو پکار لے

قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہ وار ۔۔۔ امداد، وقتِ جنگ ہے شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں سپرِ حفظِ کردگار ۔۔۔ او خیرہ سر! اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب، تمانچا قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے

یہ سنتے ہی، کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر ۔۔۔ چلّے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیز دستِ حَسَن کا مہِ منیر ۔۔۔ بجلی سی آئی کوند کے شمشیرِ بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرے دستِ نابکار ۔۔۔ بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیرِ آب دار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ او خطا شعار ۔۔۔ پکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے اُستوار
چلّا جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی رُوح چھپ گئی تودے میں خاک کے

چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیرِ بے اماں ۔۔۔ قربان تیرے ہاتھ کے، چلّائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگِ اجل سے کسی کی جاں ۔۔۔ نکلا وہ تیر، توڑ کے سینے کے استخواں
اِک دم میں دی شکست خطا کو نواب نے
غُل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوے دیں — نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
نیزے کو تولتا ہوا، مغرور و خشم گیں — ابرو پہ بل، نگاہ میں قہر، اور جبیں پہ چیں
ہم راہ اُس کے تیغ بہ کف سو سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند — بجلی سا کوندنے لگا دولھا کا بھی سمند
نیزہ اُڑا کے نیزے سے، کی یہ صدا بلند — کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند!
یہ سُن کے اُس نے ڈھال کو چہرے پہ گو لیا
پُتلی کو بے حیا کی، سناں میں پرو لیا

بے کار کُور ہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر — پٹکے میں ہاتھ ڈال کے، پٹکا زمین پر
آواز دی زمیں نے کہ فی النارِ و السّقر — جا تو بھی، ہے برادرِ عینی ترا جدھر
جز موت کچھ شقی کو نہ اُس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا

جھپٹا برادرِ سوم اُس کا بہ کرّ و فر — تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کہ الحذر
یاں بہرِ حفظ، دستِ یداللہ تھے سپر — تیغِ دو دم کو شیر نے تولا، بچا کے سر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغِ تیز اُڑا دے خیار کو

مُڑتے ہی اُس کے، فوج سے چوتھا پسر بڑھا — قاسم پکارے، او ملِ خود سر، کدھر بڑھا
سنتے ہی یہ، وہ تیغِ دو دم کھینچ کر بڑھا — جھنجلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
لڑتا تھا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا، نہ بازو، نہ شانہ تھا

بے جاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اس کے چار ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ، داغ دار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار مثلِ تنور مُنہ سے نکلنے لگا بخار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے، دیو سا چنگھاڑتا ہوا

شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ٹانک کی کماں ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بریں کہ الاماں دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ، بدنِ بد خصال میں
جکڑا ہے فیلِ مست کو لوہے کے جال میں

آمد شقی کی دیکھ کے، گھبرا گئے امام عباس نام ور سے یہ رو کر کیا کلام
لو بھائی! جنگ ہو چکی، قصہ ہوا تمام آیا سوئے یتیمِ حسن، موت کا پیام
ہم شکلِ مجتبےٰ کو بلا لو پکار کے
مانگو دعا سروں سے عمامے اتار کے

یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطانِ کائنات دربارِ کبریا میں دعا کی اٹھا کے ہات
اے خالقِ زمین و زماں، ربِّ پاک ذات! ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
تو حافظِ جہاں ہے، کریم و رحیم ہے
یارب! بچا لے اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

فوجیں اِدھر دعا کی چلیں سوئے آسماں بل کھا کے اس طرف یہ پکارا وہ بد زباں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں جوشن کو توڑتا ہے مرا تیرِ بے اماں
ہے اس کی فتح، ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سرمہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند
حق نے فرد تنی سے کیا ہم کو سر بلند
نیزے کا بند باندھ کوئی، چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

کیا زور تیرا اور تری ضرب او ذلیل
تعریف اپنی خود، یہ سفاہت کی ہے دلیل
جوہر خود اس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوے جبرئیل
جرأت میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں، وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

یہ گرز، میلِ راہِ سفر ہے ترے لیے
دستِ اجل، ترا یہ تبر ہے ترے لیے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لیے
کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لیے
ضربت نہ چل سکے گی، جو ماریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی یہ تیغِ دو دم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقتِ دار و گیر
دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں اے شریر
حلقہ کہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر
دشمن ہیں سب ترے، جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
او تیرہ رو! بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

بیٹوں کے غم نے کر دیے مختل ترے حواس
گھبرا نہ، بھیجتے ہیں تجھے بھی انھی کے پاس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا، ہے کہیں ہراس
گم ہیں جو نورِ عین، تو آنکھیں چرائے ہے
ثابت ہوا جھلم سے، کہ منہ کو چھپائے ہے

آگے ہمارے دعویٰ جرأت! خُدا کی شان
گُدّی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زباں
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں، نوجواں
لے میاں سے، کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں
ہیں نیر، شیر خوار جنابِ امیر کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہ ذوالفقار
مرحب سا پہلواں نہ بچا وقتِ کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش، او زبوں شعار!
گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغِ آب دار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

قاتل کیا جو مصحفِ ناطق کے لال نے
تر کر دیا اُسے عرقِ انفعال نے
بوچھا اُٹھایا ہاتھ میں اس بدخصال نے
چھیڑا فرس کو قاسمِ یوسف جمال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عباسِ نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور
رہیے چچا کے پاس، یہ تکلیف کیا ضرور
فرمایا، صدقے میں تری ہمت کے، اے غیور!
دشمن کو پاس آنے نہ دو، ہم کھڑے ہیں دور
ہُشیار جانِ عم! کہ دمِ کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں، یہ تمہارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو، چچا نثار
صدقے ترے حواس کے اے میرے شہ سوار
ہاں دونوں پانو رکھیو رکابوں میں اُستوار
آنے دو اُس کو، تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بدمزاج ہو، پٹڑی جمی رہے

فارس ہے تم سا کون تہِ چرخِ چنبری — دکھلا رہے ہو صاحبِ دُلدُل کی بگدھری
صدقے میں، اے نہنگِ محیطِ دلاوری — دکھلا دے ضربِ تیغِ جہاں گیرِ حیدری
ابرو پہ بل ہو، آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ وہ پہنے ہے، چوٹیں کڑی رہیں

سُن کر صدائے شیر، پکارا وہ بُزدلا — کیا اِن کے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا؟
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباس نے کہا — بس ہے تجھے یہ طفل، مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو، ایک سے لڑیں، یہ ہمارا چلن نہیں

نیزہ ہلا کے، جانبِ قاسم بڑھا وہ یل — دولھا نے مسکرا کے صدا دی، سنبھل سنبھل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے مُنہ کے بھل — تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
کیجو سناں کے وار، ذرا دیکھ بھال کے

یہ کہہ کے، اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکان — چمکی اَنی، تو برق پکاری کہ اَلاَماں
اِک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں — ڈانڈ آئی ڈانڈ پر، تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غُل تھا کہ اژدہے سے، وہ افعی لپٹ گیا

قاسم نے زور سے جو اَنی پر رکھی اَنی — بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
بگڑا جو ڈھنگ، جان پہ ظالم کی آبنی — تھی اُس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
اُڑ کر گری زمیں پہ سناں اِس تکان سے
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

جھنجلا کے چوبِ نیزہ کو لایا وہ فرق پر　　قاسم نے ڈانڈ، ڈانڈ پہ ماری، بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر　　جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور، یہ جھٹکا اٹھا کے جب　　قبضے میں لی کمان کیانی بہ صد غضب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب　　تیوری پہ چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّا اتر گیا

بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسن　　رخ پھیر یو نہ او ستم ایجاد و پیل تن!
چلّائے بڑھ کے حضرتِ عباسِ صف شکن　　کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن!
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو!
دعوا ہے کچھ ابھی، تو چڑھا لے کمان کو

کند و گداز تیرِ نظر پر بھی کی نظر　　ظالم! عقابِ تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
تیروں نے کاٹ ڈالے ہیں روئیں تنوں کے سر　　ہاں اب بتا صواب کدھر ہے، خطا کدھر
ترکش کو پھینک دے جو حمیّت کا جوش ہو
چٹکی سے لَو کو تھام کے، حلقہ بگوش ہو

دو سمت سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر　　چلّایا، تیغِ تیز علَم کر کے وہ شریر
ہاں لے حسن کے لالِ بدخشاں، بدہ، بگیر　　نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغِ قضا نظیر
چمکا کے تیغِ تیز، جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ، فرس کے بھی تیور بدل گئے

مانندِ شیرِ غیظ میں آیا وہ پیل تن — آنکھیں اُبل پڑیں صفتِ آہوے ختن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن — چلّاتے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
میخیں زمیں کی اُس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

فرفر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا — کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رَفرَف، یہ بادپا
دشمن کو گھورتا ہے دہانا چبا چبا — غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو باوفا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لڑلے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

چھل بل دکھائی فوج کو، دوڑا، تھما، اُڑا — صورت بنائی جست کی، سمٹا، جما، اُڑا
دیکھی زمیں کبھی، کبھی سوے سما اُڑا — مثلِ سمندِ بادشہِ اِنّما، اُڑا
جن تھا، پری تھا، سحر تھا، آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بہ یک — دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک — اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سَمک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رَد — تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلاے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد — کہتا تھا بازوے شہِ دیں، یا علیؑ، مدد!
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور، پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زباں پر وہ بد خصال
جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسَن کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بہ صد جلال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اس کی سپر سے ڈھال
اوجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانو رکھ دیے سر پر سمند کے

عباسِ نامدار نے پہلو سے دی صدا
ہاں اب نہ جانے دیجیو، اَحسنتَ، مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
سنتے ہی یہ، فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا بھی اِس طرف کو اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو
لو، کوفیو! گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہو گئی کمر، نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا

قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمھیں ظفر
تسلیم کی ادب سے چچا کو، جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر
اقبال آپ کا کہ مُہم ہو گئی یہ سر
پُشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو
کام آئے کیوں نہ راس، جو اُستاد پاس ہو

فرمایا، جانِ عم! یہ بشر تھا کہ دیو زاد
ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر، خانۂ عناد
آؤ کہ تم پہ پھونک دوں پڑھ کر وَاِن یَّکاد
چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مُراد
بیوہ کا لال بچ گیا، صدقے حُسینؑ پر
اسپند کوئی کردے مرے نورِ عین پر

عباسِ نامدار تو ہنستے چلے اُدھر
یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دوں خبر
اِس غم کدے میں دہر کے، شادی کہاں مگر
یاں اس بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑکے، پیاس میں مجبور ہو گئے
حربے ہزار ہا جو چلے، چور ہو گئے

کیوں کر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے
اک اک لڑا نہ آہ، بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم، مثلِ امیرِ عرب لڑے
جاں بازیاں ستم کی دکھائیں غضب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑکے، زورِ جوانی دکھا دیا

للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے
یوں آئے جیسے شیرِ درندہ جھپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری، یہ جدھر کو پلٹ کے آئے
صف کو بچھا کے آئے، پرے کو اُلٹ کے آئے
مُنہ سُرخ تھا، کھُلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

کاٹے رسالے، تیغ سے کارِ قلم لیا
دستِ یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا
پھر دستِ چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا
تیورائے، سنبھلے، مُنہ سے لہو ڈالا، دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھُلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اُتنی دیر میں

آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
روکے تھی فوج تیر دلاور سے اور رہ چھیوں راہ
لشکر کے ساتھ تھا پسرِ سعدِ روسیاہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غُل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو، بجھا دو حَسَن کے چراغ کو

تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر　　پڑتی تھیں وہ قریب سے اُس ناتوان پر
تیروں پہ تیر تھے، تو کمانیں کمان پر　　ہلّا تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر　　مارا کسی نے فرق پہ اک گرزِ گاؤ سر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر　　گرتے تھے اسپ سے کہ پڑا لگا تبر
طارق کی تیغ کھا کے، پکارے امام کو
فریاد یا حُسینؑ! بچاؤ غلام کو

سنتے ہی اِستغاثۂ داماد کی صدا　　دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل برہنہ پا
گھبرا کے بولے حضرتِ عباسؑ با دفا　　تلوار کس پہ چل گئی، ہے ہے، ہوا یہ کیا!
چلائی ماں، لرے مری بستی اُجڑ گئی
اے بھائی! دوڑو، بن کے لڑائی بگڑ گئی

جھپٹے جو شاہ فوج پہ جھکا کے ذوالفقار　　بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
اس غیظ میں یمیں سے جو آئے سوے یسار　　بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں، خوں سے، رن کی زمیں لال ہو گئی
دولھا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں　　سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بہ صد فغاں　　بے جاں ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیم جاں
جب لاش اُٹھائی شہ نے، تو چُورا استخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشان تھے

ڈیوڑھی پہ لائے لاش جو سلطانِ بحر و بر | پردہ اُٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
لاشے کے پانو تھامے کوئی اور کوئی سر | چادر کمر کی تھامے تھے عباسِ نامور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اَٹی ہوئی
رُخ پہ پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئی

کیوں رونے والو سنتے ہو آوازِ شور و شین | اِس بزمِ پاک میں ہیں یہاں نوحہ گرِ حسین
منبر کے پاس فاطمہ روتی ہیں کر کے بین | ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
شبّر کو بھی قلق ہے، شہِ بے وطن کو بھی
پُرسا امام کو بھی دو تم اور حسن کو بھی

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی ‏ ‏ ڈیوڑھی سے چل چکی ہے سواری دلیر کی
جاسوس کہہ رہے ہیں، نہیں راہ پھیر کی ‏ ‏ غش آگیا ہے شہ کو، یہ ہے وجہ دیر کی
خوش بو ہے دشت، بادِ بہاری قریب ہے
ہشیار غافلو! کہ سواری قریب ہے

آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہے ‏ ‏ شیروں کا شیر عازمِ دشتِ نبرد ہے
دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے ‏ ‏ بڑھ کر پرے سے جو لے رد کرے، وہ مرد ہے
سر بر کوئی ہوا نہیں اِس خاندان سے
گھر میں اِنھی کے اُتری ہے تیغ آسمان سے

ہاں، نورِ چشمِ فاتحِ خیبر قریب ہے ‏ ‏ لو، وارثِ کشندۂ عنتر قریب ہے
لختِ دلِ درندۂ اژدر قریب ہے ‏ ‏ جو تیغ کا دھنی ہے، وہ صفدر قریب ہے
جوہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے
کاٹے انھوں کی تیغ نے پر جبرئیل کے

اللہ ری آمد آمدِ عباسِ صف شکن ‏ ‏ لرزاں تھے کوہ، ہلتے تھے دل، کانپتے تھے تن
جنگل کے شیر، بن گئے تھے خوف سے ہرن ‏ ‏ اِک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن
یہ شیر، کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے
گویا مقابلہ ہے جنابِ امیر سے

تھا فوجِ قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر   تھیں موج کی طرح سب اِدھر کی صفیں اُدھر
چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور   پانی میں تھے نہنگ، اُبھرتے نہ تھے مگر
فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رُعب علم دارِ نوجواں   تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں
گوشہ اماں کا ڈھونڈھ رہی تھی ہر اک کماں   ترکش بھی تھے ہراس میں کھولے ہوئے دہاں
تیروں کا بے گماں تھا ارادہ گریز کا
مُنہ کُند ہو گیا تھا ہر اک تیغِ تیز کا

ہل چل یہ تھی کہ گردِ سواری نمایاں ہوئی   گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
آمد خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی   آپ آئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
روشن تھا شمعِ طور سے پَرتو حضور کا
خلعت مِلا زمینِ مُقدّس کو نور کا

اِک شور تھا کہ آج زمیں، آسمان ہے   صحرائے کربلا نہیں، دُنیا کی جان ہے
اُترا زمیں پہ چاند، یہ خالق کی شان ہے   رضواں نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
پَرتو ہے یہ رُخِ خلفِ بوتراب کا
دیکھو، اُلٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

نقشِ سُمِ فَرس کی ضیا پر کرو خیال   اختر کہیں ہے، بدر کہیں ہے، کہیں ہلال
ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال   یاں ہے وہی عروج، زہے حشمت و جلال
پروانہ، آفتاب ہے چہرے کے نور پر
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلّی ہے طور پر

آئینۂ جبیں سے صفا آشکار ہے — ابرو سے ماہِ رُخ کی ضیا آشکار ہے
چشمِ گہر فشاں سے حیا آشکار ہے — رُخ سے جلالِ شیرِ خُدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ مُنہ پر دلیر کے
چہرہ تو حُور کا ہے، پہ تیور ہیں شیر کے

نُورِ جبیں نے، جلوۂ قدرت دکھا دیا — چہرے نے، حسنِ صُبحِ صباحت دکھا دیا
ابرو نے، رنگِ تیغِ شجاعت دکھا دیا — قامت نے، سب کو طورِ قیامت دکھا دیا!
جنگل کو بوئے کوچۂ گیسو بسا گئی
کپڑوں سے نکہتِ گُلِ فردوس آ گئی

اعجاز لب میں۔ چشم میں، سحرِ حلال ہے — تِل نہیں ہے، چہرۂ یوسف کا خال ہے
تعریف کیا کریں کہ دہن بے مثال ہے — تقسیمِ جزوِ لا یتجزیٰ محال ہے
ٹھہرا لیا ہے نقطۂ فرضی، دہن نہیں
اسرارِ کردگار میں جائے سخن نہیں

بے مثل ہیں، خوشا دُرِ دنداں کی آب و تاب — دُرِّ عدن کو دیتے ہیں دنداں شکن جواب
یوسف نے دیکھے تھے یہی اخترمیانِ خواب — طالع چمک گئے، مہِ کنعاں بلا خطاب
باتوں میں لب جو ہلتے ہیں اس خوش خصال کے
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لال کے

قربانِ رونقِ خطِ رخسارِ سُرخ فام — یہ صُبح ہے حلب کی تو گیسوئے ختن کی شام
وَاللّیل، گردِ سورۂ وَالشّمس ہے تمام — گویا جنابِ خضر کا ظلمات ہے مقام
تفسیر خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہے
دیکھو، ہجومِ مُور، سلیماں کے گرد ہے

یہ خط نہیں ہے، دفترِ قدرت نگار ہے   عنبر فشانیِ قلمِ مُشک بار ہے
لاریب فیہ، مُصحفِ پروردگار ہے   واضح یہ ہے کہ جلد سے خط آشکار ہے
مُنہ دیکھیے، جس کو نور کا سورہ نہ یاد ہو
تاریک شب میں پڑھ لے، جو روشن سواد ہو

شانے، سپہرِ حُسن کے دو آفتاب ہیں   بازو، مثالِ دستِ خُدا لاجواب ہیں
ساعد، برائے تیغ و سپر انتخاب ہیں   ہاتھوں سے بادشاہ و گدا فیض یاب ہیں
اُلٹی ہے آستیں جو حیدرؑ کی شان سے
اُگلی ہوئی ہے تیغِ یدُ اللہ میان سے

ساعد میں زور وہ کہ زبردست، زیر ہیں   ایذا میں باحواس ہیں، فاقوں میں سیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں، ایسے دلیر ہیں   پنجے کا اُن کے ذکر بھلا کیا کہ شیر ہیں
زہرہ ہے ڈر سے آب کیومرث و گیوؔ کا
مُنہ پھر گیا ہے اُن کے تمانچے سے دیو کا

اب کس طرح ثباتِ قدم کو کروں رقم   کاغذ پہ رُک گیا ہے صدا دے کے یہ، قلم
نعلینِ پائے حضرتِ عباسؑ کی قسم   ٹل جائے کوہ، پر نہ ہٹیں گے جگہ سے ہم
ثابت ہوا کہ قابلِ شرح و بیاں نہیں
خامے کا ذکر کیا ہے، سیاہی رواں نہیں

وصفِ سلاحِ جنگ میں اب لڑ گئی ہے جاں   اے ذہن! آج ہے تری تیزی کا امتحاں
مضموں نئے تراش تو اے خنجرِ زباں۔   جوہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغِ طبع، ہاں
منزل ابھی ہے دور صفِ کارزار کی
رہ جائیو نہ، تجھ کو قسم ذوالفقار کی

یہ خود [illegible] فرقِ جناب پر — سرپوشِ نور ہے قدحِ آفتاب پر
ا[illegible] فوقِ رسالت مآب پر — یا تاجِ خسروی ہے سرِ بوتراب پر
سایہ میں آئے وہ جو سعیدِ زمانہ ہے
اقبال کے ہما کا یہی آشیانہ ہے

رکھتا نہیں کسی سے کدورت یہ خوش نہاد — الّا عدوئے آلِ پیمبر سے ہے عناد
چار آئینہ ہے رحمت و انصاف و عدل و داد — بس پنجتن کا نام، سپر ہے دمِ جہاد
بن جائے گا اماں کا حصار، آئینہ یہی
جوشن یہی، سپر یہی، چار آئینہ یہی

دستانہ ہے کہ تیغِ یداللہ کا نیام — منہ میں کلائی شیر کے، یہ ہے انھی کا کام
قالب ظفر کا، فتح کا گھر، زور کا قیام — پنجے میں ہے جو تیغ، تو قبضے میں روم و شام
دُنیا میں کوئی اِن سے نہ افضل نہ دین میں
قوت خدا کے ہاتھ کی ہے آستین میں

ہے دوشِ صبحِ عید، شبِ قدر ہے سپر — قدرت خدا کی یہ ہے، اِدھر شب، اُدھر سحر
اِک ماہِ نو، تو چار ستارے ہیں جلوہ گر — گویا دُلھن بنی ہوئی ہے لیلیِ ظفر
جو خوبیاں کہ چاہیے، وہ سب حصول ہیں
معشوقِ سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں

ہے وصفِ تیغ میں سپر انداختہ زباں — لُکنت کے حرف آتے ہیں لب پر دمِ بیاں
مضموں ہیں مثلِ برقِ جہندہ، شرر فشاں — پیدا سرِ قلم سے ہے شورِ الاماں
کیوں کر کوئی لکھے جو مجالِ رقم نہ ہو
خامے کو خوف ہے کہ زباں پھر قلم نہ ہو

قد کتنا خوش نما ہے، بدن کس قدر ہے گول　　جو ہر شناس ہے، تو لے موتیوں میں تول
مفتاحِ فتح ہے، درِ نصرت کو اس سے کھول　　وہ تیغ ہے، خراج صفاہاں ہے جس کا مول
اشراف کا بناو، رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے، سپاہی کی جان ہے

دل سوز، شعلہ خو، شرر انداز، جاں گداز　　لشکر کُش و شکست رسان و ظفر نواز
خوں خوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز　　حاضر جواب، تیز طبیعت، زباں دراز
سچ اُس کی ہے پسندِ جہاں، گو سجی نہ ہو
معشوق پھر نہیں ہے جو اتنی کجی نہ ہو

پُشتہ وہ اُس کا اور وہ باریکیِ خمیر　　کس بل میں بے مثال، اصالت میں بے نظیر
جنگ آزما، خراج ستانندہ، ملک گیر　　گیتی نورد، بادیہ پیما، فلک مسیر
اِس کا جلال، خلق میں کس پر جلی نہیں
کوچہ وہ کون سا ہے جہاں یہ چلی نہیں

ہے گرچہ علم تیر میں قادر وہ ارجمند　　لیکن کماں نہ ساتھ ہے، نہ تیر، نہ کمند
تیغ و سپر ہے، یا علمِ شاہِ سر بلند　　سب حربے دُور کے، ہیں بہادر کو ناپسند
کیا خوف اُن کو، نہر پہ گر روک ٹوک ہے
نیزہ نہیں جو پاس، اک اس میں بھی نوک ہے

صدقے علم کے، حضرتِ عباس کے نثار　　طوبا شکوہ، عرش تجمل، فلک وقار
شمشادِ سبز پوشِ گلستانِ اقتدار　　حمزہ کا اقتدار، تو جعفر کا افتخار
جھکتا ہے جس سے عرش، یہ پایہ اسی کا ہے
ظلِ خدا یہ، دھوپ میں، سایہ اُسی کا ہے

دریا خجل تھا، سبزہ مطوّبرے میں تھی وہ لہر
سبز حکمی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا بہر
دامن ہے یوں دہان جہازِ امامِ دہر
موجیں دکھا رہی ہیں بہشت بریں کی نہر
پنجے کا نور، سبز پھریرے کے ساتھ ہے
طوبا کی شاخِ سبز پہ مریم کا ہاتھ ہے

دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اُس کے نور
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرّد سے روئے حور
فرقِ جنابِ خضر پہ روشن ہے شمعِ طور
بے شبہہ، دو امام کے ہے نور کا ظہور
اُس کا علم یہ ہے جو شہِ مشرقین ہے
گویا حسن کے دوش پہ دستِ حسین ہے

لکھتا ہے اب کمیتِ قلم شرعتِ سمند
آہو شکار، شیر طبیعت، وغا پسند
نازک مزاج و خوش قد و طنّاز و سر بلند
وہ پیش و پس، وہ سُم، وہ کنوتی، وہ جوڑ بند
اُتری تھی اِک پری، فرسِ تند خو نہ تھا
شرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں لہو نہ تھا

تنہا ہیں اس شکوہ سے عباسِ تشنہ لب
اور واں پرے جمائے ہیں سفّاک سے سب
تیغیں علم کیے ہے سپاہِ دغا طلب
ڈھالوں سے لالِ شام کی، دن ہو گیا تھا شب
سرہنگِ روم و رے ہیں وغا پر تُلے ہوئے
ہیں دور تک نشانوں کے شقّے کھلے ہوئے

کہتا تھا شمر آکے یہ ہر اِک پرے کے پاس
ہاں صفدرانِ شام، خبردار و باحواس!
مردوں کو معرکے میں نہیں چاہیے ہراس
بڑھنے نہ پائے حضرتِ عباسِ حق شناس
لاکھوں ہو تم، وہ ایک ہے، پیاسے کو ٹوک لو
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

مردانگی نبرد میں، مروت کا کام ہے
ہے رستمی کا وقت، وغا کا مقام ہے
حیدر کے اس نشاں کو مٹا دو تو نام ہے
عالم میں شورِ طنطنۂ فوجِ شام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مرجائیں گے حسین، کمر ٹوٹ جائے گی

اٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
پہنچی جو گوشِ شاہ میں یہ شمر کی صدا
کاٹو خدا کے واسطے پہلے مرا گلا
چلائے آکے سامنے، اے فوجِ اشقیا
بولا نہیں میں کچھ جو بھرا گھر اُجڑ گیا
مرجاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

فاقہ بھی تین دن کا ہے، تشنہ دہن بھی ہوں
آفت میں مبتلا ہوں، اسیرِ محن بھی ہوں
سیدِ بھی ہوں، غریب بھی ہوں بے وطن بھی ہوں
بے کس بھی ہوں، ضعیف بھی ہوں خستہ تن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے

غم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
رو کر جو مستغیث امامِ بحق ہوئے
سن کر صدا حسین کی، عباس فق ہوئے
جو صاحب حیا تھے وہ غرقِ عرق ہوئے
برچھی لگی الم کی دلِ دردناک پر
نزدیک تھا کہ گر پڑیں گھوڑے سے خاک پر

دیکھا، کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھبرا کے معرکے سے بھر آیا وہ خوش خرام
آپ آئے، کیا غضب یہ کیا اے فلک مقام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
سر پر عمامہ رکھیے پیمبر کے واسطے
یہ اضطراب بندۂ احقر کے واسطے

پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ، گلے لگو — سینہ مرے جگر سے لگاؤ، گلے لگو
بچھڑے ہیں دیر سے، نہ رلاؤ، گلے لگو — لو تم بھی دستِ شوق بڑھاؤ، گلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں، منہ سے منہ اور لب سے لب ملیں
اب کے جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں

وہ دل ہے داغ دار، جو ہجراں نصیب ہے — کوئی بعید یار سے، کوئی قریب ہے
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہے — اکثر چمن میں پھول نہیں، عندلیب ہے
موسم کوئی نہیں چمنِ روزگار میں
لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے ہیں بہار میں

فرما کے یہ، بہ شوق امامِ اُمم بڑھے — عباس اس طرف سے جھکا کر علم بڑھے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو دو بحرِ غم بڑھے — یہ سوئے سینہ اور وہ سوئے قدم بڑھے
دونوں پہ کوہِ رنج و غم و یاس گر پڑے
گردن جھکا کے پانو پہ عباس گر پڑے

زیرِ بغل تھے دستِ شہنشاہِ بحر و بر — چھاتی سے سر لگائے تھے عباسِ نامور
حضرت کا روئے پاک تھا بھائی کے دوش پر — ہچکی لگی تھی ان کو اِدھر اور انھیں اُدھر
تھمتی تھی رقت اُن کی، نہ زہرا کے جائے کی
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی

عباس رو کے کہتے تھے، مولا! نہ روئیے — صدقے غلام، اے مرے آقا! نہ روئیے
صدمے سے بے قرار ہیں بابا، نہ روئیے — سر پیٹتی ہیں فاطمہ زہرا، نہ روئیے
پردے میں کچھ نہ آلِ نبی کے خلل پڑے
ایسا غضب نہ ہو کہ سکینہ نکل پڑے

روکر کہا حسینؑ نے لے جان، اَلوَداع! اچھا سدھارو لے مرے ذی شان، اَلوَداع!
بھائی! تمھارے عزم کے قربان، اَلوَداع! ہم بھی ہیں کوئی آن کے مہمان، اَلوَداع!
بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو
کوثر پہ جائیو تو مجھے یاد کیجیو

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہِ دیں پناہ تا دید اس طرف رہی عباسؑ کی نگاہ
ہم شکلِ مصطفٰےؐ کو پکارے بہ اشکِ واہ آنے دیا حضور کو یاں تم نے، واہ واہ
بھولے اُسے جو کہہ کے ہم آئے تھے آپ سے
بیٹا! چچا نثار، خبردار باپ سے

فرما کے یہ، چڑھے فرسِ خوش خرام پر نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق امام پر
چمکا فرس کہ برق گری ابرِ شام پر غصّے سے ہاتھ شیر نے ڈالا حسام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھرتھرا گئے
خیبر کے سرکشوں کو، علیؑ یاد آ گئے

نعرہ یہ تھا کہ ہم دُرِ دریائے نور ہیں دُنیا کے جتنے عیب ہیں، سب ہم سے دور ہیں
خیبر کشا کے قلب و جگر کے سُرور ہیں جرار ہیں، سخی ہیں، ولی ہیں، غیور ہیں
اپنا چلن کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے
اب تک ہماری ضرب کا سِکّہ دلوں پہ ہے

جب معرکے میں جم گئے ہیں پانو گاڑ کے دم میں قدم اُکھاڑ دیے ہیں پہاڑ کے
روکی ہے تیغ، کُفر کی بستی اُجاڑ کے پٹکا ہے گھر سے حق کے بُتوں کو اُکھاڑ کے
پڑھ کر درود، فوجِ ملک مدح خواں ہوئی
جب ہم گئے تو کعبے کے اندر اذاں ہوئی

جنگ آزما ہیں، صف شکن و قلعہ گیر ہیں صولت میں، دبدبے میں عدیم النظیر ہیں
دُنیا کے بادشاہ ہیں، گردوں سریر ہیں اِس اوج پر، حُسینؑ کے دَر کے فقیر ہیں
رتبے پہ فخر ہے نہ شجاعت پہ ناز ہے
گر ہے تو بس غلامیِ حضرت پہ ناز ہے

کیا کیا لڑے ہیں خیبر و بدر و تبوک میں یہ ہاتھ پیاس میں نہ رُکے ہیں، نہ بھوک میں
شہرہ ہے اپنی جود و سخا کا ملوک میں حاتم سے بھی سخی ہیں سوا، ہم سُلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سر دے دیا ہے، بات پہ جس وقت آئے ہیں

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول بیعت انھیں، تو صلح ہمیں بھی نہیں قبول
غازی پکارا، او نجس و مُرتد و جہُول! لیجو نہ مُنہ سے نامِ جگر گوشۂ رسول
سمجھا ہے کیا امامِ عراق و حجاز کو
گُدی سے کھینچ لوں گا زبانِ دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے ترا وہ امیرِ شام کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعتِ غلام
تو بھی نمک حرام ہے، وہ بھی نمک حرام او بے ادب! یزید کجا اور کجا امام!
دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

یہ کہ کے، لی دلیر نے تلوار میاں سے مسکن چھٹا ہما سے سعادت نشان سے
نکلی جو عندلیبِ ظفر آشیان سے چمکے شرارے، پھول جھڑے آسمان سے
دکھلائی شکل، قہرِ خدائے جلیل نے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ لیے پر جبرئیل نے

حملہ دلیر کا ، غضب کردگار تھا — گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
تلوار کوندتی تھی ، فرس بے قرار تھا — مقتل میں گرم معرکۂ کارزار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے ، تو منہ زرد ہوتے تھے
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

وہ تیغِ جاں گداز جدھر چل کے رہ گئی — گردن عدو کی شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
یہ غول بھن گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی — بھاگا کوئی تو ہاتھ اجل مل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ ، مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
ٹھنڈا کروں گی میں ، تو جہنم جلائے گا

بجلی سی جس پرے کی طرف آ کے پھر گئی — ناگن تھی اِک کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
دم میں لہو زمین پہ برسا کے پھر گئی — اللہ رے منہ ، صفیں کی صفیں کھا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اُسے
سیروں لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اُسے

غصے تھا شیر ، کانپتے تھے بزدلوں کے دل — سینے میں ہو گئے تھے لہو ، قاتلوں کے دل
لوہے کو اس کے مان گئے جاہلوں کے دل — کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
تھی ماہِ نو ، پہ پھرتی تھی بجلی بنی ہوئی
چمکی ، تو زخمیوں کے لیے چاندنی ہوئی

لرزاں ہر ایک بانیِ بیداد و جور تھا — لشکر تھا بے حواس ، تباہی کا طور تھا
رُخ زرد تھے ، سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا — تیروں کا تھا نہ اوج ، نہ ڈھالوں کا دور تھا
کشتوں کے پشتے ، اور سروں کے پہاڑ تھے
فوجیں لٹی ہوئی تھیں ، محلے اجاڑ تھے

گر اس طرف بڑھا کسی بے داد گر کا ہاتھ — بالائے تن رہا نہ اِدھر نہ اُدھر کا ہاتھ
رکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہاتھ — دو ہو کے گر پڑا، جسے مارا کمر کا ہاتھ
ہنستی تھی موت، آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
آدھا فرس پہ جسم تھا، آدھا زمین پر

تیغیں، سپر کے ساتھ کٹیں۔ خود سر کے ساتھ — سینہ، کمر کے ساتھ کٹا۔ دل، جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ — اُس معرکے میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر، خلعت و منصب کو چھوڑ کر
روحیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

گرتی تھی برقِ تیغ جو ہر پل اِدھر اُدھر — سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل اِدھر اُدھر — بھاگڑ تھی قلبِ فوج میں، ہل چل اِدھر اُدھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر، سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہاں، گریز کے کوچے تو بند تھے

سرہنگِ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے — جو بچ گئے اِدھر سے، اُدھر جا کے مر گئے
کتنے جواں سُموں کے تلے آ کے مر گئے — پس پس کے سرمہ ہو گئے، ٹکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوانِ بدن چور کر دیے
بیٹوں نے پانو باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

تھا الاماں کا شور، پریشاں تھے اہلِ شر — تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اِک سپر
ماتھے علَم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر — پرچم نے بال کھولے تھے، فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس، ہراس سے تھی ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

مصروف تھے جہاد میں عباسِ باوفا ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
اب کیا سکینہ پیاسی ہی مر جائے اے چچا! کب تک لڑو گے فوج سے، بس ہو چکی وغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہے
اے نورِ چشمِ ساقیِ کوثر! دُہائی ہے

جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جائیے قربان جاؤں بھر کے مری مشک لائیے
پھُنکتا ہے سینہ، آگ جگر کی بُجھائیے اچھّے مرے چچا! مجھے پانی پلائیے
اب رحم کیجیے مری دو دن کی پیاس پر
جیتی ہوں اب تک آپکے آنے کی آس پر

عباس نے سُنی جو یہ آواز ناگہاں بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کاندھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیرِ خوں چکاں رُخ جانبِ فرات کیا پھیر کر عناں
دیکھی جو نہر، دل نہ رہا اختیار میں
گھوڑا اُڑا کے، شیر سے آئے کچھار میں

گرمی میں تھے جو غرقِ عرق سر سے تا بپا سردی سے اس ترائی کی، جان آگئی ذرا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہِ کربلا
دل ہوگیا کباب، مصیبت پہ شاہ کی
عباسِ نامدار نے اِک سرد آہ کی

دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا، سمٹتا تھا بند بند چمکارتے تھے حضرتِ عباسِ ارجمند
تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

چمکارتے تھے حضرتِ عباسِ نیک نام — بس اِتنا مضطرب نہ ہو اے اسپِ تیزگام
گر تو ہے تشنہ کام، تو ہم بھی ہیں تشنہ کام — پیاسا ہے ذوالجناحِ شہنشاہِ خاص و عام
اٹھتا ہے شورِ گریہ محمدؐ کی آل سے
آگاہ کیا نہیں ہے سکینہ کے حال سے

عباسؑ نے کہا جو یہ بچوں کا حالِ زار — گردن ہلا کے رہ گیا اسپِ وفا شعار
جب نہرِ علقمہ میں در آیا وہ نام دار — پانی سے تھوتھنی کو اٹھاتا تھا بار بار
جاں بازیٔ سمند یہ، غازی نے رو دیا
غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

دریا سے بھر چکا وہ بہشتی جو مشکِ آب — چلّایا فوج کو عمرِ خانماں خراب
لو مشک لے چلا جگر و جانِ بوترابؑ — سادات پر بس اب نہ کبھی ہوں گے فتح یاب
گر مشک تا خیامِ شہِ نیک خو گئی
یہ جان لو کہ جان گئی، آبرو گئی

یہ شور سن کے، گھاٹ پہ اڑی سیاہِ شام — پہلے سے بھی زیادہ ہوا کچھ ہجومِ عام
تولے تھے پہلواں تبر و خنجر و حسام — غل تھا کہ ہاں نکلنے نہ پائے یہ تشنہ کام
اب پاس آبرو کا ہے، جانوں کا غم نہیں
عباسِ نامور نہیں، یا آج ہم نہیں

تیغِ دو دم کو تول کے غازی نے دی صدا — مجھ کو نہ دور جانیو اے لشکرِ جفا
پہلے نہ رک سکے، تو بھلا اب رکیں گے کیا — یہ گھاٹ تیغ کا ہے، خبردار اِک ذرا!
دیکھیں تو ہاں، پرے کو جمائے کھڑے رہو
روکو تو برچھیوں سے، ہم آتے، کھڑے رہو

یہ سن کے، جوڑنے لگے حلقوں میں واں خدنگ
یاں بار یا ترائی میں تھا صورتِ نہنگ
لپکا جدھر زبانۂ شمشیرِ شعلہ رنگ
پانی میں ڈوبنے لگے ناری، کہاں کی جنگ
حیرت تمام فوج کو تھی اُس کے کاٹ پر
برسادی آگ تیغ کے پانی نے گھاٹ پر

تا غاضریہ، نہر سے لڑتا گیا دلیر
تودے کہیں سروں کے، کہیں تھے تنوں کے ڈھیر
تکتے تھے سوئے خیمۂ شہ منہ کو پھیر پھیر
دَم لے لیا کہیں، کبھی جھپٹے مثالِ شیر
پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اس دیں پناہ کی
پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی

نزدیک سے نہ کرتا تھا حربہ کوئی شریر
پہلو سے نیزے چلتے تھے اور سامنے سے تیر
تھے ایک جان کے لیے دشمن جوان و پیر
برچھے تھے گرد، بیچ میں تھا وہ مہِ منیر
منظور ظلم سخت تھا ہر بد خصال کو
پتھر شقی لگاتے تھے، حیدر کے لال کو

اِک تشنہ کام، لاکھوں میں کس کس کو دے جواب
شل ہو گیا تھا بازوے فرزندِ بوتراب
کہتا تھا ہاتھ، اُٹھنے کی مجھ میں نہیں ہے تاب
لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب
پروا نہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل، اور جگر کبھی
اِک شیر سے اِدھر کبھی جھپٹے، اُدھر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی، دوش پر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر، سپر کبھی
رہ وار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوؤں کو علی چوم چوم کے

تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسماں کبھی — ہونٹھوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زباں کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی — جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹیں لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر — دامن سے پونچھتے تھے عَلم دارِ نامور
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو سراسر — شُقّہ مگر عَلم کا نہ ہووے لہو سے تر
اقبالِ بادشاہِ زمین و زماں رہے
دُنیا میں، میں رہوں نہ رہوں، یہ نشاں رہے

واحیف، وا دریغ، تمنّائے جاں نثار! — جھکتے تھے بار بار، سنبھلتے تھے بار بار
اور یاں کمیں میں تھا ابنِ ورقائے نابکار — ماری شقی نے دوش پہ اِک تیغِ آب دار
آفت پڑی، نصیبِ سکینہ اُلٹ گیا
لڑتے تھے جس سے، ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا

اِک ہاتھ سے سنبھالے تھا مشکیزہ و عَلم — بہتا تھا خون، ضعف بھی بڑھتا تھا دم بہ دم
گھوڑے پہ سیدھے ہوتے تھے گہے تو گاہ خم — فریاد! الغیاث! ستم پر ہوا ستم
تیغا کسی کا شیر کے شانے پہ پھر پڑا
وہ ہاتھ بھی بدن سے جُدا ہو کے گر پڑا

کٹ کر گرا تھا بازوئے غازی جو زین پر — تلوار اِدھر لٹک رہی تھی اور ہاتھ اُدھر
بے دل یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغِ شعلہ ور — قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر
صدقے حواسِ ابنِ شہِ ذوالفقار کے
چھیدے عَلم کی نوک سے دل پانچ چار کے

ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس — دانتوں سے جھک کے مشک کو پکڑا بہ درد و یاس
گر پڑا علمِ شاہِ حق شناس — یہ رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
آنکھیں لہو تھیں، رُخ سے جلال آشکار تھا
مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنہ میں شکار تھا

ٹھکرا کے راہ وار کو، بڑھتے تھے وال جب — چھاتی پہ نیزے رکھ کے اُنھیں روکتے تھے سب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بے دست و تشنہ لب — مارا کسی نے فرق پہ اک گُرز، ہے غضب
صدمے سے زرد چہرۂ پُر نور ہو گیا
ضربت لگی کہ کاسۂ سر چور ہو گیا

ہر چند پھٹ گیا تھا سرِ دلبرِ علی — تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پہ بھی
اپنا نہ کچھ خیال تھا، پیاسوں کی فکر تھی — ہرنے پہ سر پٹک دیا جب مشک چھد گئی
آنکھوں سے بہہ کے اشک بصد یاس گر پڑے
پانی گرا تو گھوڑے سے عبّاس گر پڑے

آئی صدائے شیرِ الٰہی یہ ایک بار — شبیر! آ، نثار ہوا تجھ پہ جاں نثار
ہے یہ ترے لیے مری گودی میں بے قرار — عاشق کو ہے ترے، ترے آنے کا انتظار
ہونٹھوں پہ دم بہ دم ہے صدا یا حسین کی
آنکھیں تری طرف ہیں مرے نورِ عین کی

جس دم سُنا حسین نے یہ نوحۂ پدر — پٹکا عمامۂ سرِ اقدس کو خاک پر
گر گر کر اٹھے، سنبھل کے گرے شاہِ بحر و بر — چلّائے، ہاتھ اکبرِ مہ رو کا تھام کر
واحسرتا! جوان برادر بچھڑ گیا
تھامو ہمیں، کہ بند کمر کا اکھڑ گیا

زینب نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا ! چلائے ، اے بہن! مرا عاشق جُدا ہوا
ہئے ہئے کا شور اہلِ حرم میں بپا ہوا زہرا نے دی صدا کہ بڑا حادثا ہوا
گھبرا کے بنتِ شاہِ مدینہ نکل پڑی
حضرت بڑھے نہ تھے کہ سکینہ نکل پڑی

دریا پہ سر برہنہ شہِ بحر و بر چلے صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھامے کمر چلے
اکبر سنبھالے باپ کو با چشمِ تر چلے یہ بھی چلے اُدھر، شہِ والا جدھر چلے
صدمہ ہے ضربِ غم سے دلِ پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے، بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے آلودہ غبارِ الم، روئے پاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالۂ روحی فداک ہے اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
دستِ یسار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
شہ کو جُھکے ہوئے علیؑ اکبر سنبھالے ہیں

جب بانو کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ، آہ آہ!
دریا نہ اِتنی دور تھا اے میرے رشکِ ماہ! رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ!
ہے دور یاں سے، یا مرا بھائی قریب ہے؟
کہتے ہیں وہ، حضور! ترائی قریب ہے

القصہ لائے باپ کو اکبر ترائی میں زخمی ملا وہ شیرِ دلاور ترائی میں
پائی جو بوئے خونِ برادر ترائی میں لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں
گزری تھی عمر، ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

مُنہ رکھ کے مُنہ پہ بھائی کے، بھائی نے دی صدا
لے شیر! اے دلیر! یہ بے کس ترے فدا
کیوں پتلیاں پھراتے ہو بھائی! یہ کیا کیا
عبّاسؑ! میں حسینؑ ہوں، دیکھو مجھے ذرا
میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو، عنانِ توسنِ عمرِ رواں نہ لو
ساتھی تھکا ہوا ہے، رہِ کارواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرامِ جاں نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے، ہچکیاں نہ لو
مرجاؤں گا میں، ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی! مرا تو رشتۂ جاں ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عبّاسِ نامدار
آقا! ہزار جانِ گرامی ترے نثار
یہ موت، زندگی ہے، زہے فخر و افتخار
نکلے جو گل کے سامنے بُلبُل کی جانِ زار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوئے پاکِ نورِ خدا اور سرِ حقیر
عالم کا بادشاہ کہاں اور کہاں فقیر
ذرّے کو مہر کردیا اے آسماں سریر!
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
پایا یہ اوج ماں کی، نہ بابا کی گود میں
معراج مل گئی شہِ والا کی گود میں

رحمت نے رُخ کیا مری جانب حضور آئے
لے کر رسول جامِ شرابِ طہور آئے
روشن ہر کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا نہ ہو سُرور جو بالیں پہ حور آئے
عشّاق مر بھی جاتے ہیں، زخمی بھی ہوتے ہیں
میں اب تو تن درست ہوں، کیوں آپ روتے ہیں

مولا! کھڑے ہیں سامنے محبوبِ ذوالجلال — یہ رو رہے ہیں شیرِ الٰہی بہ صد ملال
استادہ ہیں یہ حضرتِ شبّر نکو خصال — یہ فاطمہ ہیں پہلو میں، بکھرائے سر کے بال
تنہا نہیں، حضور بھلا کیوں اداس ہیں
جن کا غلام میں ہوں، وہ سب میرے پاس ہیں

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں تم کو سب — عبّاس! چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو، ہے غضب
سر خاک پر پٹک کے، یہ بولا وہ جاں بہ لب — اے جانِ فاطمہ، جگرِ سیّدِ عرب!
کس کس کو رو کیے گا کہ اعدا کے ریلے ہیں
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہیں

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم — صدمہ مگر ہے روح یہ اے قبلۂ اُمم!
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم — اُلفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم
دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

یہ کہ کے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر میں درد — رخسارِ سرخ سرخ جو تھے، ہو گئے وہ زرد
لیں کروٹیں، تو بھر گئی زخموں میں سن کی گرد — منہ رکھ کے شہ کے پانو پہ، کھینچی اک آہِ سرد
دنیا سے انتقالِ علم دار ہو گیا
سردارِ فوج بے کس و بے یار ہو گیا

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا — صدمہ غضب کا سبطِ نبی پر گزر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا — چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تنِ پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا! صدا سناؤ — سر رکھ لو میرے زانو پہ، گردن ذرا اٹھاؤ
زینب تمھیں بلاتی ہیں، خیمے کے در پہ جاؤ — کب سے بلک رہی ہے، سکینہ کو دیکھ آؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلا نہ ہو
دریا پہ سو گئے ہو، سکینہ خفا نہ ہو

اکبر نے رو کے عرض یہ کی، اے شہِ زماں! — رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جاں
لے چلیے گھر میں لاش علم دار نوجواں — ایسا نہ ہو، نکل پڑیں خیمے سے بیبیاں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنتِ علی نہ آئے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہ چلی نہ آئے

بیٹے سے کی حسین نے اک آہ دل خراش — فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آتی کاش
اچھا بتاؤ تم کہ میں کیوں کر اٹھاؤں لاش — سر چار پارہ، ہاتھ جدا، جسم پاش پاش
کیوں کر کہوں کہ لاشۂ غم گھر میں لے چلو
میت کے بدلے مشک و علم گھر میں لے چلو

ناچار اٹھ کے واں سے امامِ امم چلے — فرمایا، لو کریم نگہبان، ہم چلے
اکبر تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے — سر ننگے پیچھے سرورِ عالی ہمم چلے
جنگل میں شورِ نالہ و فریاد و آہ تھا
حضرت کے پیچھے اسپ علم دارِ شاہ تھا

فضہ کھڑی تھی خیمے کے باہر جو بے خبر — حضرت کو اس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ الٹ کے خیمے کا، بولی وہ نوحہ گر — سیدانیو! اٹھو، علم آتا ہے خوں میں تر
اکبر علم لیے ہیں، علی کا نشاں نہیں
کوتل فرس تو آتا ہے، وہ نوجواں نہیں

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشاں — تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشاں
گویا کہ تھا شبیہِ الم سر بہ سر نشاں — ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پُر نور و فر نشاں
چھپ جاتا تھا بھریرے میں یوں کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباس کٹ گئے — سیدانیوں کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے — رنگ اڑ گئے رُخوں سے، کلیجے اُلٹ گئے
ہر دل پہ برقِ رنج و غم و یاس گر پڑی
بچوں سمیت زوجۂ عبّاس گر پڑی

اکبر عَلم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے — سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حُسین آئے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پائے — عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا، ہائے ہائے ہائے!
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
لو بیبیو! ترائی میں رو آئے شیر کو

لپٹی جو تھی عَلم سے سکینہ جگر فگار — ہے ہے علی کے لعل، کی رانڈوں نے تھی پکار
پرچم میں یوں لچکتا تھا پنجہ وہ بار بار — سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم و سوگوار
تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بھی، نخلِ ماتمِ عبّاس بن گیا

زیرِ عَلم تھا زوجۂ عبّاس کا یہ حال — ماتھا بھرا تھا خاک سے، بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی کہ لے اسدِ کبریا کے لال! — میں سر کو پیٹتی ہوں تمھیں کچھ نہیں خیال
جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی میں، لونڈی کو چھوڑ کے

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی
جاگے تمام رات کے تھے، نیند آ گئی
صورت تمھیں عروسِ شہادت دکھا گئی
کیا خوش نصیب تھی کہ اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے، آپ اُس میں سوئیں گے

یہ کہہ کے، پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار
زینب نے شاہِ دیں سے کہا رو کے زار زار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال، میں نثار
لے جائیے عَلم کو اب اے شاہِ نام دار
ماتم میں اور کوئی مُصیبت گزر نہ جائے
ڈر ہے مجھے کہ زوجۂ عباس مر نہ جائے

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
لے کر نشاں کو جائے کہاں اب یہ بے وطن
اب تو نہ فوج ہے، نہ علم دارِ صف شکن
گھر لُٹ گیا، عَلم کو بڑھاؤ بس اب بہن
لو یہ نشانیِ شہِ دلدل سوار لو
پٹکا علم سے کھول لو، پنجہ اُتار لو

جس دم سُنا عَلم کے بڑھانے کا سب نے نام
سر اُٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
رایت لِٹا کے خاک پہ، کہنے لگے امام
بس اَلوداع، اے عَلمِ سیّدِ انام
پیاسے گلے کو خنجرِ خوں خوار چاہیے
بس اب مجھے عَلم نہ عَلم دار چاہیے

پُرخوں عَلم کے پاس تھے عباس کے پسر
تکمے کھلے تھے کُرتوں کے، تھرّاتے تھے جگر
ماں نے جو طوق اتارے تھے اور کان کے گہر
سہما ہوا تھا ایک، تو اک پیٹتا تھا سَر
زلفوں پہ گرد تھی تو رُخوں پر غبار تھا
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا، آنسو بہا بہا　　　بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے، اے چچا!
آیا علم، پر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا　　　چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
اماں کی مانگ اُجڑ گئی، صدمے گزر گئے
بھیا تمھیں خبر نہیں، بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُن کے نہر کی جانب وہ بے پدر　　　رو کر پکارے شاہ کہ بیٹا، چلے کدھر!
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر　　　بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
میّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں، ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

بس اے انیس بس کہ دُعا کا ہے یہ مقام　　　ہو مغفرت خلیق کی یا ربّ ذوالکرام
مدّاحِ آلِ پاکِ نبی تھا وہ خوش کلام　　　یا رب! اُسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
گر بخش دے، تو کیا تری رحمت سے دُور ہے

جب بادبانِ کشتیٔ شاہِ اُمم گرا　　یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہِمَم گرا　　یاں فاطمہ کے لال پہ کوہِ الم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے
خم ہو گئے، کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

بجتا تھا واں سپاہ میں نقارۂ ظفر　　ماتم تھا نوجوانیٔ عباسؑ کا اِدھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر　　اکبرؑ کھڑے تھے سامنے چپکے، جھکائے سر
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سُرخ، آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ!　　باقی ہے اور کوئی کہ بس ہو چکی سپاہ؟
عباسؑ سا تو اب نہ کوئی ہوگا خیر خواہ؟　　بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چُننے دو گُلِ پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچائیے گا کلیجے کو، داغ سے

دُنیا سے کوچ کر گئے عباسِؑ نامدار　　اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار　　مثلِ خلیلؑ کیجیے فرزند کو نثار
آہیں نہ بھریے، بیٹے کے سر کو نہ رو دیجیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو، نہ رو دیجیے

بھائی کا داغ اور ہے، داغِ پسر ہے اور بازو کا درد اور ہے، دردِ جگر ہے اور
قوت بدن کی اور ہے، نورِ نظر ہے اور سینے کا زخم اور ہے، دردِ کمر ہے اور
گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجیے

حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر نعلینِ عرش سا پہ جھکایا پسر نے سر
فرمایا، کیا ارادہ ہے اے غیرتِ قمر! کی عرض: اذن دیجیے، یا شاہِ بحر و بر
عباس کے فراق نے مارا غلام کو
بس اب نہیں ہے صبر کا یارا غلام کو

شہ نے کہا: خوشی ہے بہر حال خاکسار تم سے جو سَو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
پر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار اس امر میں تمھاری پھپھی کو ہے اختیار
راضی ہوں وہ، تو داغ انھیں دے کے جائیے
پالا ہے جس نے، اُس کی رضا لے کے جائیے

روکوں گا میں تمھیں، یہ نہ کیجو کبھی خیال صابر خدا کی راہ میں ہے فاطمہ کا لال
صدقے ہے نورِ عین، تصدق ہے جان و مال طفل و جوان و پیر کا حافظ ہے ذوالجلال
ماں کون، باپ کون، عطا کبریا کی ہے
اولاد ہے تو کیا ہے، عنایت خدا کی ہے

سَو طرح کا ملال ہوا، میں نے کچھ کہا؟ بے جاں حسن کا لال ہوا، میں نے کچھ کہا؟
بھائی کا انتقال ہوا، میں نے کچھ کہا؟ سب باغ پائمال ہوا، میں نے کچھ کہا؟
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو
حاضر دل و جگر ہے، تمھارا بھی داغ ہو

خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرِ حزیں
چھاتی لگا لیا ماں نے، پھپھی نے بلائیں لیں
اک آہِ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں
نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہِ دیں
روتے ہیں غیر، سیدِ والا کے حال پر
اماں! مقامِ رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم، بھائی کا غم، تین دن کی پیاس
بازو شکستہ، ضعفِ بصارت، ہجومِ یاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہِ دیں کے پاس
اِس پر بھی اضطراب نہیں کچھ، نہ ہے حواس
گھیرے ہیں سب امامِ غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہاں امام، کہاں وہ ہجومِ عام
میں یاں ہوں، اب تو اور بڑھی ہوگی فوجِ شام
فریاد ہے، کوئی نہیں آتا ہمارے کام
مِٹتا ہے صفحۂ دو جہاں سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوندِ خاک ہو!

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
اچھا، مریں گے بعدِ شہِ آسماں جناب
ہم بھی نہیں، اگر نہیں فرزندِ بوتراب
ذرّہ کہاں، غروب ہوا جب کہ آفتاب
دُنیا کا نور، نیّرِ اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

دُنیا سے ہم کو جلد اُٹھالے ہمارا رب
آغوشِ قبر میں ہو الٰہی ہمیں یہ شب
صدقے ہوں غیر، سبطِ نبی کے قدم پہ سب
بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی، ہے غضب
مانع ہیں آپ، اور پھپھی سدِّ راہ ہیں
میرا قصور کچھ نہیں، زہرا گواہ ہیں

تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو سوال — اوّل تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصتِ جدال
رکھ لیجے آبروے پسر، بہرِ ذوالجلال — آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہ کا لال
للہ، ہاتھ اٹھائیے اب نورِ عین سے
اماں! ہمیں عزیز نہ کیجے حسین سے

ہے دوسری یہ عرض، جو رخصت نہیں قبول — جلدی ہو کر بلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے، بطحا سے کیا حصول — نہ جائیں گے نجف، نہ سوے روضۂ رسول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر — کہہ دیجیو، نہ آئیں گے اب وہ کبھی اِدھر
صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے نام ور — کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاریِ پدر
بستی بسا کے رن میں شہِ کربلا رہے
کنبے سے منہ چھپا کے، وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ — بنتِ علی کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے منہ پہ یاس سے زینب نے کی نگاہ — گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنتِ علی تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانو، پسر کے پانو پہ غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اُٹھا کے خاک سے، رونے لگا پسر — بیٹے کے گرد پھر کے، یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ، جو منظور ہے سفر — زینب پکاری، چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر!
اچھا، رضا حسین سے لے لو، تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو، تو جائیو

وحشت تھی ہو دل کی، تھی پارۂ جگر ... یہ بھی خبر نہیں مجھے، کب مر گئے پسر
لاشیں بھی گھر میں آئیں تو پیٹا نہ میں نے سر ... میں کہتی تھی، جیے یہ مرا غیرتِ قمر
اکبر تو ہے، اگر مرے پیارے نہیں، نہیں
روشن ہے گھر میں چاند، ستارے نہیں، نہیں

باتیں یہ کر کے، منہ پہ لیا گوشۂ ردا ... سر چوب سے پٹک کے کہا، وا محمدا!
بس گر پڑا پھپھی کے قدم پر وہ مہ لقا ... کی عرض رو کے، اے پھپھی اماں! اگر دیں کیا
میں بے وفا نہیں ہوں، یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹائیے تو ردا بہرِ کردگار ... اچھا نہ جائیں گے سوئے میدانِ کارزار
چادر ہٹا کے منہ سے، یہ بولی وہ دل فگار ... میں کون، صدقے جاؤں، تمھی کو ہے اختیار
اصغر ہو یا کہ تم ہو، مجھے سب سے یاس ہے
رخصت گلا کٹانے کی لو، ماں تو پاس ہے

اکبر نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر ... ماں نے کیا اشارہ کہ اے غیرتِ قمر
تم سے پھپھی خفا ہیں، جھکا دو قدم پہ سر ... قربان جاؤں، عذر کرو ہاتھ باندھ کر
سر کی نہ کچھ خبر ہے، نہ چادر کا ہوش ہے
داری، یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام ... تقصیر عفو کیجیے اے خواہرِ امام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام ... میری تو ماں ہیں آپ، مجھے کیا کسی سے کام
بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

انصاف کیجیے، کسے پیاری نہیں ہے جاں　　اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجواں
کرتا ہے کوئی باغِ جوانی کا رائیگاں　　روتے ہیں پیر بھی، جو چھٹے گلشنِ جہاں
لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے
عزت پہ بات آئے تو، مرنا ہی خوب ہے

اکبر نے یہ کلام کیے جب بہ صد ادب　　الفت کا جوش آگیا بنتِ علی کو تب
لے کر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب　　کڑھتے ہو کس لیے میں تمھیں روکتی ہوں کب
سچ ہے جہاں میں ملتا کوئی باوفا نہیں
واری، تمھارے سر کی قسم، میں خفا نہیں

کیوں کانپتے ہو، اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں　　تم راست گو ہو، سچ ہے تمھارا یہ سب بیاں
لو میں نے دی رضا تمھیں، اے میرے نوجواں　　تم جانو آگے، صدقے گئی، اور تمھاری ماں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے

جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر　　گودی میں لے کے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
دشمن تمھارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر　　بس جاگنا تھا اور دعائیں تمھیں رات بھر
جب تم کراہتے تھے، یہ غش کھا کے گرتی تھی
جھولے کے گرد صورتِ پروانہ پھرتی تھی

آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے　　تلووں سے اُس نے دیدۂ حق بیں سدا ملے
نذروں سے، منتوں سے، مرادوں سے تم پلے　　صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے

بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا — صدقے گئی، کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
اِس قافلے میں آپ ہیں اب فاطمہ کی جا — میں نے بھی دی، جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر، کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر — لے لیں بلائیں بھائی کی زینب نے دوڑ کر
بانو بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر — بولی لپٹ کے بالی سکینہ کہ اے پدر
سنتی تھی میں کہ رَن سے علم دار آتے ہیں
لو، اب تو گھر سے نہر پہ بھیّا بھی جاتے ہیں

بانو کے مُنہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا — کیوں سچ ہے، تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا؟
وہ چُپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہدا — کہیے پھپھی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا؟
سب راہیں اِن کے روکنے کی بند ہو گئیں
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں

ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبر نے عرض کی — اماں نے بھی رضا ہمیں دی، اذن پھپھی نے بھی
زہرا کی وہ بہو ہیں، تو یہ دخترِ علی — آقا! سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
رویا جو میں، تو ماں نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھپھی نے چلا لیا

عاشق ہیں یہ حضور کی، یا شاہِ نامدار! — ان سے ہوں سو پسر، تو کریں آپ پر نثار
دیکھی ہیں کس نے بیبیاں ایسی فلک وقار — وہ ہاجرہ کا فخر، یہ مریم کا افتخار
سب فاطمہ کا صبر ہے، خو ہو تو ایسی ہو
بیٹی ہو اِس طرح کی، بہو ہو تو ایسی ہو

ماں نے کہا، پسر کی فصاحت تو دیکھیے
نامِ خدا، زباں کی طلاقت تو دیکھیے
زینب یہ بولیں، ذہن کی جودت تو دیکھیے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھیے
کیا بات بھائی اِن کی بھلا بول چال کی
گویا زباں ہے مُصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں
تم دو گی رخصت اِن کو، مجھے یہ نہ تھا یقیں
سچ ہے، اجل سے کچھ کسی انساں کا بس نہیں
آیا تھا اِتنی عمر ہی لے کر یہ مہ جبیں
بے جا ہے روکنا، جو یہ طالب رضا کے ہیں
اے بنتِ فاطمہ! یہ کرشمے قضا کے ہیں

رو کر کہا پسر سے کہ اچھا، سدھاریے
پوشاک تو پہنیے، یہ کپڑے اتاریے
زینب سے بولے، ہاتھ نہ سینے پہ ماریے
شانہ منگا کے گیسوے اکبر سنواریے
لے آؤ مصطفیٰ کی قبا اِن کے واسطے
خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

جب بہرِ جنگ اکبرِ شیریں سخن چلے
بانو پکاری، اے مرے گُل پیرہن! چلے
واری! اُجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے
پیچھے جواں پسر کے، امامِ زمن چلے
پردہ اُٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
اک بُرج سے طلوع ہوا مہرد ماہ کا

خُدّام، تازیِ علی اکبر کو در پہ لائے
آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبر قریب آئے
چلّائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو، ہائے ہائے!
اللہ کتنا شوقِ شہادت ہے آپ کو
دو چار گام ساتھ تو چلنے دو باپ کو

دُنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر　　اے لعل! قبر تک تمھیں پہنچا تو دے پدر
جھک کر قدم کی سمت، یہ بولا وہ نام ور　　تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہِ بحر و بر
رونے کو ضبط کیجیے، جگر کو سنبھالیے
ناموس نکلے آتے ہیں، گھر کو سنبھالیے

شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں　　بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
اِس وقت تم کو روئیں نہ، ایسا جگر کہاں　　خود بے خبر ہیں، ہم کو کسی کی خبر کہاں
گھر تھامے کون، تم تو کمر توڑے جاتے ہو
ہم کو سنبھالنے کو کسے چھوڑے جاتے ہو؟

فرزند نے جو روحِ محمدؐ کی دی قسم　　بس تھرتھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ اُمم
مُنہ دیکھ کر پسر کا، یہ بولے بہ چشمِ نم　　اچھا، سدھارو، خیر نہ جائیں گے ساتھ ہم
پھر اِس طرف کی راہ، اُدھر جا کے لیجیو
مر جائیں ہم تو جلد خبر آ کے لیجیو

روتا ہوا بڑھا سوئے گل گوں وہ گل بدن　　گویا چڑھے براق پہ محبوبِ ذوالمنن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا، یا دُلھن　　ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
آہو خجل تھے، کبکِ دری کو حجاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

پہنچا عجب شکوہ سے رَن میں وہ مہ جبیں　　کوسوں فروغِ حُسن سے روشن ہوئی زمیں
آئے رسولِ حق، یہ ہر اک کو ہوا یقیں　　غل تھا، یہ نوجواں تو ہے یوسف سے بھی حسیں
تصویر سر سے تا بہ قدم مصطفیٰ کی ہے
اِس حُسن کے بشر بھی ہیں، قدرت خدا کی ہے!

کس شان سے کھڑے ہیں علیٔ اکبرِ جواں   اور اُس طرف کھُلے ہوئے ہیں فوج کے نشاں
کہتا ہے ابنِ سعدِ ستم گار و سخت جاں   شبیر کے چراغ کو جلدی بجھاؤ، ہاں
صدمہ مفارقت کا امامِ زماں پہ ہو
دیکھیں حسین اور سرِ اکبر سناں پہ ہو

اکبر کو غیظ آگیا سنتے ہی یہ کلام   دی ابنِ سعد کو یہ صدا، تول کر حسام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو او نمک حرام   لیجو زباں سے پھر نہ امامِ اُمم کا نام
اُن کے قدم پہ جن و بشر جان دیتے ہیں
نامِ حسین صلِّ علیٰ کہہ کے، لیتے ہیں

سن کر صدائے شیر، ہٹا فوج سے شریر   یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اُس طرف سے تیر
صفدر نے لی نیام سے تیغِ قضا نظیر   سمٹی زمیں، لرزنے لگا آسمانِ پیر
بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

پڑھ کر رجز، دلیر در آیا سپاہ میں   گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی، جری جدھر آیا سپاہ میں   خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
پہلے ہی وار میں صفِ اوّل تمام تھی

دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش و پس گئے   پانچ اُس طرف پہنچ نہ سکے تھے کہ دس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے   جب برقِ تیغ کوند گئی، سر برس گئے
چھایا تھا ابرِ غم سپہِ بدصفات پر
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر

جوہر شناسِ تیغِ زباں، مُنہ اِدھر کریں
تیزی کو حرف حرف کی مدِّ نظر کریں

دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں
مصرع وہ جاں گزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں

بیتوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے

بَینَ السُّطور، تیغِ حُسینی کی آب ہے

در پَے تھی سرکشوں کے جو وہ تیغِ جاں ستاں
گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں

ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کماں
گردن سے سر، رگوں سے لہو، اور بدن سے جاں

یارا عقابِ تیر کو پرواز کا نہ تھا

رَن میں کہیں نشاں قدر انداز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے، ہر تن سے سر لیا
برچھی سے پھل، تو زینِ فرس سے تبر لیا

ڈھالوں سے پھول لے لیے، پھولوں سے زر لیا
اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا

بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ تل گئی

اک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی، کھل گئی

ترکش وہ، جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر
کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سر بسر

ہر اک عقابِ تیر کے ٹوٹے ہوئے تھے پَر
طاقت نہ تھی کہ شاخِ کماں تک کریں گزر

اُس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولے تھے

طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے

سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف

پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
ٹکڑے تڑپتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف

خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی

انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

جی سنسنا گئے، وہ جدھر سَن سے آگئی — گویا سموم، کوہ کے دامن سے آگئی
جلتے ہوئے کباب کی بو، تن سے آگئی — چمکی، تو الاماں کی صدا رَن سے آگئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی
خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمل تپیدہ تھی

ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ — اُڑتا تھا سر، جسے پر لگاتے تھے تن کے ہاتھ
سب تھک گئے، مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ — وہ معرکہ رہا اُسی گُل پیرہن کے ہاتھ
پہنچا تھا ہاتھوں ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کُشا کا زور

سر سے عدو کے خود جدا، تن سے سر جدا — شانوں سے ہاتھ، ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
سینے سے پسلیاں، تو شکم سے کمر جدا — گھٹنوں سے دونوں پائے ضلالت اثر جدا
ٹکڑے تھے عضو، قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

جس پر چلی وہ تیغ، فنا ہو کے رہ گیا — سر تن سے، جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا
بڑھ کر تھمی تو حشر بپا ہو کے رہ گیا — گردن سے تا کمر کوئی لا ہو کے رہ گیا
تھا ایک ہاتھ میں سرِ اسوار زین پر
رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

سرسبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسول — تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدہ سب جہول
گرتے تھے بار بار، یہی تھا ثمر حصول — برچھی سے پھل، کمان سے شاخیں، سپر سے پھول
زہرا کا باغ اُجاڑ کے، راحت سے سوئے تھے
آخر اُگے نہ سب وہی کانٹے، جو بوئے تھے

لکھتا ہے اَدہم قلم اب سرعتِ عقاب — نعل اُس کے ماہِ نو ہیں، تو سُم رشکِ آفتاب
پستی میں سَیل ہے، تو بلندی میں ہے سحاب — سرعت میں برقِ گرم، روانی میں جوئے آب
اُڑنے میں اس فرس کو پرندوں پہ اَوج ہے
اک شور تھا، قدم نہیں، دریا کی موج ہے

صرصر سے تند، بُو سے سبک رَو، ہوا سے تیز — چالاک فہم و فکر سے، ذہنِ رسا سے تیز
طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز — جانے میں اُڑ کے ہُدہُدِ شہرِ سبا سے تیز
ذی جاہ تھا، سعید تھا، فیروز بخت تھا
رہوار کیا، ہوا پہ سلیماں کا تخت تھا

سمٹا، جما، اُڑا، اِدھر آیا، اُدھر گیا — چمکا، پھرا، جمال دکھایا، ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے، برچھیوں میں بے خطر گیا — برہم کیا صفوں کو، پروں سے گزر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اُس کی فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سِروہی کا وار تھا

جب خوب لڑ چکا شہِ دیں کا سرورِ جاں — نکلا اُدھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
بدکار و بدسرشت و بدآئین و بدزباں — سرہنگ و جنگجو و سلح شور و پہلواں
غرّہ تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

افزوں تھا دیو سے بھی تن و توشِ نابکار — قوّت میں عمرو عنتر و مرحب کی یادگار
اسفندیارِ عصر و نمودار و نامدار — شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار
شورش مزاج میں، تو ستم [illegible] و گِل میں تھا
نہ آنکھ میں حیا تھی، نہ رحم اُس کے دل میں تھا

میداں میں یوں رجز پڑھا اس نے بہ شدّ و مد　　تھرّا کے قلب، ہل گئی سہراب کی لحد
گر مار ہا تھا رخش کو وہ بانیٔ حسد　　یاں سے بڑھا سُرورِ دلِ ضیغمِ صمد
پڑھتے دُعا ملک، عقبِ باد پا چلے
مرحب کے قتل کرنے کو شیرِ خدا چلے

تازی کو تیز کرکے، یہ غازی نے دی صدا　　او خوں گرفتہ! کچھ تجھے دعوا ہے گر، تو آ
انساں کو اپنی آپ ستایش نہیں روا　　قائل ہیں جس کے سب، وہ ہمارا ہے مرتبا
ذی قدر ہیں، سعید ہیں، عالی جناب ہیں
ذرّے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں

یوسف نہیں ہے وہ جو کرے دعویٔ جمال　　کب بدر نے کہا کہ میں ہوں صاحبِ کمال
پایا ہے آفتاب نے کیا اَوج کا جلال　　کی سرکشی اِدھر، تو اُدھر آگیا زوال
شیطاں کو وصل نار کا، آدم کو نور کا
یہ عجز کا ثمر ہے، وہ پھل ہے غرور کا

ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب　　روشن ہے آفتاب سے اپنا نسب حسب
کس کا ہے جد شفیعِ اُمم، سیّدِ عرب　　ہم سے بزرگ کوئی نہیں، غیرِ ذاتِ رب
جو دوست ہے خدا کا، پسر اُس ولی کے ہیں
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے علی کے ہیں

شامی بڑھا اِدھر کو جو بھالا سنبھال کے　　صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
مہمیز کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے　　رہ وار شیر بن گیا، آنکھیں نکال کے
سیماب ہو جو گرم، تو پھر کیا قرار لے
نزدیک تھا، شقی کو فرس سے اُتار لے

پیچھے ہٹا جھجک کے جو خوں خوار کا سمند　　آگے بڑھا حسینؑ کا فرزندِ ارجمند
دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند　　عُقدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھلے ہوئے
دو اژدہے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

گہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ، سناں پر کبھی سناں　　انیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں
ہر طعن تھی غضب کی، تو آفت کی ہر تکاں　　طاقت کا جائزہ تھا، شجاعت کا امتحاں
یہ بھی عرق میں، وہ بھی پسینے میں غرق تھا
پر، زورِ ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

کرار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب اِدھر　　زخمی کبھی گلا تھا، کبھی ہاتھ، گاہ سر
ہشیار کر کے صید کو، جھپٹا وہ شیرِ نر　　نیزے سے کارِ تیغ لیا، واہ رے ہنر!
سر بر بھلا ہوئے ہیں سخی سے دنی کہیں
بونڑی کہیں تھی، ڈانڈ کہیں تھی، انی کہیں

گرزِ گراں اُٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں　　آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں مثلِ جامِ خوں
چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں　　ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذوفنوں
تھا اُن کا ہاتھ، فضلِ خدا سے، علیؑ کا ہاتھ
بے زخم کھائے ہو گیا جھوٹا شقی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پھینک کے قبضے میں لی کماں　　آیا مثالِ پیلِ قوی بیکل و دماں
چھوڑا شقی نے تیرِ سہ پہلو کہ الاماں　　تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادۂ جہاں
ضربت تھی یا کہ قہرِ خدائے قدیر تھا
گوشہ تھا، نہ کماں تھی، نہ چلّا، نہ تیر تھا

رُخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا　　او کج نہاد و سرکش و بدکیش دے حیا!
کیوں سہمگیں ہے کھینچ کے تلوار منہ پہ آ　　میداں سے بھاگتا ہے، یہ ہے تیری خطا
تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تُلے نہیں
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھُلے نہیں

لی زرد رو نے میان سے شمشیرِ برق دم　　دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بہ یک علم
لکے سیاہ ابرِ سپر کے اٹھے بہم　　چالاکیاں دکھانے لگے اسپِ خوش قدم
دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں
یہ گرد اڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں

چوٹیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار　　کس کس ہنر سے رد کیے اُس بے ادب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار　　یاد آگئے ہر اک کو امیرِ عرب کے وار
رخ زرد تھا ہراس سے اُس ہرزہ گرد کا
یاں ٹھاٹھ تھا علیؑ ولی کی نبرد کا

ڈھالوں کے پُرزے ہوگئے پیہم رُکے جو وار　　بھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیاہ کار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار　　لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
جس طرح زخمی صید دبکتا ہے شیر سے

لایا کلام سخت جو لب پر وہ بد زباں　　بس آگیا جلال میں شہزادۂ جہاں
دستِ اجل بڑھا کہ اٹھی تیغ جاں ستاں　　اُڑ کر گیا فرس پہ سمندِ سبک عناں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آگیا
عصفور، شاہ باز کے پنجے میں آگیا

منہ پھر گیا تمانچۂ ضیغم سے، دیو کا ۔ نہ وہ تہمتنی تھی، نہ وہ زور گیو کا
کافر وہ تھا، تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا ۔ ظالم، شکار بن گیا گیہاں خدیو کا
نکلی بغل سے تیغ عجب کر و فر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا، ایک سر کے ساتھ

بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر ۔ دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر
یارب! لڑا ہے تیسرے فاقے سے یہ پسر ۔ سجدے سے سر اُٹھا کے پکارے بچشمِ تر
قابو میں دل نہیں ہے، بہت بے قرار ہوں
ہاں تیرے رحم و لطف کا امیدوار ہوں

مایہ ہے تو یہ ہے، جو بضاعت ہے تو یہ ہے ۔ بہتر نہیں ہے اِس سے مرے پاس کوئی شے
اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے ۔ گزری بہار زیست کی، آیا زمانِ دَے
حرمت سے اِس پسر کو شہادت حصول ہو
یارب! فقیر کا ہے یہ ہدیہ، قبول ہو

ڈوبا ہوا تھا فوجِ عدو میں وہ نونہال ۔ مصروف تھا دُعا میں اِدھر فاطمہ کا لال
لاکھوں سے معرکہ تھا، ہزاروں سے تھی جدال ۔ بڑھ کر دُعا کرے، یہ کسی کی نہ تھی مجال
سوکھے تھے ہونٹھ، رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا، کلائی میں درد تھا

فاقوں کا ضعف، پیاس کا صدمہ، پدر کا غم ۔ یہ دیر سے لڑے ہوتے، وہ فوج تازہ دم
پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم ۔ ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دم بہ دم
آنکھیں تو سُرخ، غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی، پہ ہمت بڑھی ہوئی

نکلا پرے سے ایک جفا کار و کینہ خواہ　　تھا کید میں خلیفۂ شیطاں وہ روسیاہ
چلّایا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ　　آفت ہے پالنے کی محبت بھی، آہ آہ!
اِس نوجواں کے ہجر میں آخر نہ کل پڑی
لو، گھر سے بنتِ فاطمہ زہرا نکل پڑی

تھا عشق سے پھپھی کے تو واقف وہ لالہ فام　　گھبرا گیا حسین کا فرزندِ نیک نام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خیام　　مُنہ پھیرنا تھا آہ، کہ تھا موت کا پیام
برچھی کسی کی سینۂ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کر جگر　　فرمایا آہ، ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
سب ہو گئے وہ دستِ بلوریں لہو میں تر　　رہوار سے لپٹ گئے، ہرنے پہ رکھ کے سر
جز بے کسی، نہ تھا کوئی اُس ماہ رو کے ساتھ
ٹکڑے کبد کے، زخم سے نکلے، لہو کے ساتھ

لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ　　جو گرز فرقِ پاک پہ مارا کسی نے آہ
بیٹھا گلے پہ تیر کہ حالت ہوئی تباہ　　رہوار سے گرا پسرِ شاہِ دیں پناہ
بنتِ رسول رونے کو مُنہ ڈھانپنے لگی
تڑپا وہ نوجواں کہ زمیں کانپنے لگی

سر کاٹ لو یہ غُل جو لگے کرنے اشقیا　　گردن سے تیر کھینچ کے، بابا کو دی صدا
اے نورِ عینِ فاطمہ، اے سبطِ مصطفا　　اے بحرِ فیض، اے قمرِ برجِ ھَل اَتیٰ
جلد آئیے، غریب پہ احسان کیجیے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجیے

جس دم سُنی حُسینؑ نے یہ جاں گزا صدا — صابر اگرچہ تھے، پہ کلیجا اُلٹ گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا — نعرہ کیا کہ لے علی اکبرؑ، کدھر گیا!
مل کر غریب و بے کس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے، مرے شفیق پسر، مہرباں پسر! — خوش رو پسر، سعید پسر، قدرداں پسر!
مادر کا چین، باپ کا آرامِ جاں پسر! — کم گو پسر، شہید پسر، نوجواں پسر!
مقتل کدھر ہے، کوئی بتاتا نہیں مجھے
اے نورِ عین! کچھ نظر آتا نہیں مجھے

مجھ کو غریبِ دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار — اک بار یا شہِ دوسرا کہہ کے پھر پکار
اے شیر! سیدالشہدا کہہ کے پھر پکار — صدقے ہو باپ، یا اَبَتا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائے گی
مر جاؤں گا نہیں جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں، بے حواس ہوں — زخمی ہے قلب، کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
غمگیں ہوں، مردہ دل ہوں، حزیں ہوں، اداس ہوں — دم توڑو تم تو ہے غضب، لو میں نہ پاس ہوں
کیوں کر قرار آئے دلِ ناصبور کو
لاؤں کہاں سے ڈھونڈھ کے آنکھوں کے نور کو

دوڑے یہ بات کہہ کے، جو سلطان بحر و بر — بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
اُٹھا یہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر — دیکھا جو زخم، منہ کے قریب آگیا جگر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کے ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیر مر گئے

ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب — دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہِ رسولِ رب
آنسو بہا کے، رکھ دیے بیٹے کے لب پہ لب — چلّاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو، ہے غضب!
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
باہیں اُٹھا کے باپ کی گردن میں ڈال دو

اکبر نے آنکھیں کھول کے، دیکھا رُخِ پدر — گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے اِدھر اُدھر
فرمایا شہ نے، زانو پہ رکھ کر سرِ پسر — روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر!
یاں سے اٹھا کے، آلِ پیمبر میں لے چلیں
غم یاں کا ہے، تو آؤ تمھیں گھر میں لے چلیں

کی عرض، مہلت اتنی کہاں اے شہِ اُمم — اب کیجیے قبلہ رُو، کہ نکلتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھ لیے آپ کے قدم — غیر از غمِ فراق، مجھے کچھ نہیں ہے غم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے، وہ دور ہیں
روتا ہوں اس لیے کہ اکیلے حضور ہیں

شہ نے کہا، مرے لیے بیٹا! نہ رو، وہ بس — ہوگا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش و پس
دنیا کی آرزو ہے، نہ جینے کی کچھ ہوس — میرے لیے ہے لبِ دمِ خنجر، ہر اک نفس
اکبر! ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہ ہو، تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سُن کے، لینے لگا ہچکیاں پسر — سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بہ سر — دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگامِ ظہر تھا کہ لُٹا گھر حسین کا

نکلی اُدھر تو جسم سے اکبر کی جانِ زار — یاں بیبیاں ہوئیں درِ خیمہ پہ بے قرار
فضہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ ایک بار — اکبر پہ کیا گزر گئی اے شاہِ نامدار!
چھریاں غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
جلد آئیے کہ حضرتِ زینب نکلتی ہیں

گھبرا کے شاہِ دیں نے اٹھائی پسر کی لاش — لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
لائے قریبِ خیمہ جو اُس سیم بر کی لاش — غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش
زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

سر ننگے، شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام — تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لیے امام
بانو پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام! — جیتا ہے، یا جہاں سے گیا سیرِ لالہ فام
منکا ڈھلا ہے، ہونٹھوں پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہ! مرے بچے میں جان ہے؟

زینب تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار — یہ لاش میری گود میں دیجیے، بہن نثار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار — صدقے گئی، لرزتا ہے فاقوں سے جسمِ زار
شہ کہتے تھے، یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن! اُٹھے گا نہ لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمے میں لائے امامِ پاک — مسند رسولِ حق کی بچھائی بہ روئے خاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک — دل بیبیوں کے ہو گئے سینے میں چاک چاک
پہلے گماں تھا، غش میں ہیں، وغا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا، مر کے آئے ہیں

لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے ماں گری
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھپھی نیم جاں گری
دل پر ہر اک کے برقِ غمِ نوجواں گری
غش ہو کے کوئی یاں گری کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آ کر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا، صفِ ماتم اُلٹ گئی

بس اے انیسؔ اب نہیں آگے بیاں کی تاب
لکھوں حرم کے بَین، تو ہوتی ہے اِک کتاب
گر قدرداں ہیں کم، تو نہ کر اتنا اضطراب
جلدی مدد کریں گے شہِ آسماں جناب
تو ذاکرِ حسین علیہ السلام ہے
تیری اُنھی کو فکر ہے، جن کا غلام ہے

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کے رُخِ بے حجاب نے
دیکھا سوے فلک، شہِ گردوں رکاب نے
مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اُس جناب نے
آخر ہے رات، حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو، فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہرا کے لال کا
گزری شبِ فراق، دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں، غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اِس دن کے واسطے

یہ صُبح ہے وہ صُبح، مبارک ہے جس کی شام
یاں سے ہوا جو کوچ، تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام
لکھے خدا، نماز گزاروں میں ان کے نام
سب ہیں وحیدِ عصر، یہ غُل چار سو اُٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے، سُرخ رو اُٹھے

یہ سن کے، بستروں سے اُٹھے وہ خُدا شناس
اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس
باندھے عمامے، آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ، کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی، رخوں پہ نور   خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیاض، حق شناس، اُولوالعزم، ذی شعور   خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حُسنِ صَوت سے حظ برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

سادات، بُردبار، فلک مرتبت، دلیر   عالی منش، سَبا میں سلیماں، وَغا میں شیر
گُردانِ دہر اُن کی زبردستیوں سے زیر   فاقوں میں دل بھی، چشم بھی، اور نیتیں بھی سیر
دُنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
دریا دلی سے، بحر کو قطرا سمجھتے تھے

تقریر میں وہ رمز و کنایہ کہ لاجواب   نکتہ بھی مُنہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن، کتابِ بلاغت کا ایک باب   سوکھی زبانیں، شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی، گُلوں سے زیادہ شگفتہ رو   پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بُو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو   پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خُو
پتھر میں ایسے لعل، صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا، یہ ملک ہیں بشر نہیں

پانی نہ تھا، وضو جو کریں وہ فلک جناب   پر تھی رخوں پہ خاکِ تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب   ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابو تراب
مہتاب سے رُخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئنوں پہ جلا اور ہو گئی

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال
جن میں کئی تھے حضرتِ خیرُ النسا کے لال
قاسم سا گل بدن، علی اکبر سا خوش جمال
اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رخوں کا نور، سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھانو ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے اَرِنی گوے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوان طیور
گلشن خجل تھے، وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا، پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے، گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے، جواہر نگار تھے

قربانِ صنعتِ قلمِ آفریدگار
تھی ہر ورق پہ صنعتِ ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محو قدرتِ ربِّ عباد پر
مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

وہ نور، اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا
دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل، وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے، سبز سبز شجر، سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے، سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آب دار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل، تو گُل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور، نالۂ حق سرہٗ کی دھوم
سُبحانَ ربنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خُدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار — اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق! ترے نثار
یا حیُّ یا قدیر کی تھی، ہر طرف پکار — تسبیح تھی کہیں، کہیں تہلیلِ کردگار
طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول — خوش بو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دُنیا کی زیب، زینتِ کاشانۂ بتول — وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسول
ماہِ عزا کے عشرۂ اوّل میں لُٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لُٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اُس باغ کی بہار — پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گُل عذار
دولھا بنے ہوئے تھے، اجل تھی گلوں کا ہار — جاگے وہ ساری رات کے، وہ نیند کا خمار
راہیں تمام، جسم کی خوش بو سے بس گئیں
جب مسکرائے، پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگارگوں کی شان　　گو یا زمیں پہ نصب تھا اِک تازہ آسمان
بے چوبۂ سپہر بنے جس کا سایبان　　بیت العتیق، دیں کا مدینہ جہاں کی جان
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے ستارے اسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں　　کہتا تھا آسمانِ دہم، چرخِ ہفتمیں
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں　　تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور، شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبح، گلِ آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں　　تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ اِنس و جاں　　صوتِ حسن سے اکبرِ مہ رو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسول کی کانوں میں آ گئی

چپ تھے طیور، جھومتے تھے وجد میں شجر　　تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محوِ ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در　　پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموسِ شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار　　چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار　　صدقے نمازیوں کے، موذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
لوگو! اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

یہ حُسنِ صوت اور یہ قرأت، یہ شد و مد حقّا کہ اَفصحُ الفصحا ہے اِنھی کا جد
گویا ہے لحنِ حضرتِ داؤدِ باخرد یارب! رکھ اِس صدا کو زمانے میں تا ابد

شُعبے صدا میں، پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بُلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے عینُ الکمال سے تجھے بچّے، خُدا بچائے!
وہ خوش بیاں کہ جس کی طلاقت دلوں کو بھائے دو دن میں، ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے

غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حُسین پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامتِ الصّلوٰۃ قائم ہوئی نماز، اُٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں، وہ مصلّی ملک صفات قدموں سے جن کے ملتی تھی آنکھیں رہِ نجات

جلوہ تھا تا بہ عرشِ مُعلّا حُسین کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلّا حُسین کا

قرآں کُھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز بسم اللہ آگے جیسے ہو، یوں تھے شہِ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہِ سرفراز کرتی تھی خود نماز بھی اُن کی ادا پہ ناز

صدقے سحر بیاض پہ بینَ السُّطور کی
سب آیتیں تھیں مُصحفِ ناطق کے نور کی

باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دل پسند کرّوبیانِ عرش تھے سب جن سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند

خم گردنیں تھیں سب کی خُضوع و خُشوع میں
سجدوں میں چاند تھے، مہِ نو تھے رکوع میں

اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتے دار اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجیے شمار
پر سب جگر فگار و حق آگاہ و خاک سار پیرو امامِ پاک کے، دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک انھی کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں، یہ خاک انھی کی ہے

دُنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود ان کے لیے تھی بندگیِ واجبُ الوجود
وہ عجز، وہ طویل رکوع اور وہ سجود طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پانو میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھانو میں

ہاتھ اُن کے جب قنوت میں اُٹھے سوئے خُدا خود ہو گئے فلک پہ اِجابت کے باب وا
تھرائے آسمان، ہلا عرشِ کبریا شہ پر تھے دونوں ہاتھ، پئے طائرِ دُعا
وہ خاک سار محوِ تضرّع تھے فرش پر
رُوحُ القدُس کی طرح، دعائیں تھیں عرش پر

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر بہ اِحترام
کیا دل تھے، کیا سپاہِ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

سجدے میں شکر کے کوئی تھا مردِ باوفا پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآں، کوئی دُعا
نعتِ نبی کہیں تھی، کہیں حمدِ کبریا مولا، اُٹھائے ہاتھ یہ کرتے تھے اِلتجا
فاقوں میں تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یارب! مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

زاری تھی، التجا تھی، مناجات تھی اِدھر وان صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
کہتا تھا ابنِ سعد، یہ جا جا کے نہر پر گھاٹوں سے ہوشیار، ترائی سے باخبر!
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؑ کو

بیٹھے تھے جا نماز پہ شاہِ فلک سریر ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑکے سوے لشکرِ شریر عباسؑ اٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر
پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر
روکی سپر، حضورِ کرامت ظہور پر

اکبرؑ سے مڑکے کہنے لگے سرورِ زماں تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ، اے پدر کی جاں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغرؑ ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر فضہ پکاری ڈیوڑھی سے، اے خلق کے امیر!
یہ ہے، علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر اصغرؑ کے گاہوارے تک آکر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

باقرؑ کہیں پڑا ہے، سکینہ کہیں ہے غش گرمی کی فصل، یہ تب و تاب اور یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہ وش بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں ناقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

اٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار
ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے ہوئے سوار
فرمایا مڑ کے، چلتے ہیں اب بہرِ کارزار
کمریں کسو جہاد پہ، منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی، دل باغ باغ ہو
امت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ، حرم میں گئے شاہِ بحر و بر
ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اِدھر
جوشن پہن کے، حضرتِ عباسؑ نام ور
دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پر تو سے رُخ کے، برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی، سپر دوشِ پاک پر

شوکت میں، رشکِ تاجِ سلیماں تھا، خود سر
کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پر
دستانے دونوں، فتح کا مسکن، ظفر کا گھر
وہ رعب، الاماں! وہ تہور کہ الحذر!
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

خیمے میں جا کے شہ نے، یہ دیکھا حرم کا حال
چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینبؑ کی یہ دعا ہے کہ اے ربِ ذوالجلال
بچ جائے اِس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ، بچوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا
بے کس پہ یہ چڑھائی ہے، سید پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا
اِن ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا
فاقوں سے جاں بہ لب ہیں، عطش سے ہلاک ہیں
یارب! ترے رسول کی یہ آلِ پاک ہیں

سر پر ہیں اب علیؑ، نہ رسولِ فلک وقار   گھر لٹ گیا، گزر گئیں خاتونِ روزگار
اماں کے بعد، روئی حسنؑ کو میں سوگ وار   دنیا میں اب حسینؑ ہے ان سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب   مضطر نہ ہو، دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں، خطا پہ ہیں، یہ خانماں خراب   خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہِ صواب
موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

معراج میں رسول نے پہنا تھا جو لباس   کشتی میں لائیں زینبؑ اسے شاہِ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس   پہنی قبائے پاکِ رسولِ فلک اساس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسول کا
رومال فاطمہؑ کا، عمامہ رسول کا

شملے کے دو سرے جو چھٹے تھے بہ صد وقار   ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بو کا تار تار   جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل پہ کیا کھلیں گے، یہ گیسو کے پیچ ہیں

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بو   دولھا نے سونگھی ہو گی نہ ایسی دلھن کی بو
حیدرؑ کی، فاطمہؑ کی، حسینؑ و حسنؑ کی بو   پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لٹتا تھا عطر، وادیِ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں، رضواں بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن لے کر بلائیں بھائی کی، رونے لگی بہن
چلّائی ہائے، آج نہیں حیدر و حسن امّاں! کہاں سے لائے تمھیں اب یہ بے وطن
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صدقے گئی، بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے پیٹا مُنہ اپنا زینبِ عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے بازو پہ جوشنیں پڑھے عزّ و جاہ نے
جوہر بدن کے حُسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے، اتنے ستارے چمک گئے

یاد آ گئے علی، نظر آئی جو ذوالفقار قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیرِ آب دار شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو، نصرت قریب ہو
زیب اِس کی تجھ کو، ضربِ عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ نبوّت کی شان تھی

ہتھیار اِدھر لگا چکے آقائے خاص و عام تیّار اُدھر ہوا علمِ سیدِ انام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام روتی تھی، تھامے چوبِ علم، خواہرِ امام
تیغیں کمر میں، دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

گرداتے دامنوں کو قبا کے وہ گُل عذار مرفق تک آستینوں کو اُلٹے بہ صد وقار
جعفرؑ کا رعب، دبدبۂ شیرِ کردگار بوٹا سے اُن کے قد، پہ نمودار و نامدار
آنکھیں مَلیں علم کے پھر ہرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

گہ ماں کو دیکھتے تھے، کبھی جانبِ عَلَم نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی، کبھی مشورے بہم آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حَشَم
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا؟
امّاں! کسے ملے گا علم نانا جان کا؟

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہِ خوش خصال ہم بھی محق ہیں، آپ کو اس کا رہے خیال
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزّت طلب ہیں، نام کے امّید دار ہیں

بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جواں لیکن ہمارے جَد کو نبی نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکرِ گراں پایا علم علیؑ نے مگر وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں، گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے انھی کے ہم ہیں، انھی کے نواسے ہیں

زینبؑ نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام کیا دخل مجھ کو، مالک و مختار ہیں امام
دیکھو، نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام بگڑوں گی میں جو لوگے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ، ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے

سرکو، ہٹو، بڑھو، نہ کھڑے ہو علم کے پاس — ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور تم مرے آتے ہوئے حواس — بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگوگے تم جو بُرا یا بھلا کہوں
اِس ضد کو، بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

عمرِ قلیل اور ہوسِ منصبِ جلیل! — اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے، گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل — ہاں لیتے ہم سِنوں میں تمھارا نہیں عدیل
لازم ہے، سوچے، غور کرے، پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ، کیوں بشر اُس کی ہوس کرے

اِن ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھّے گا یہ علم! — چھوٹے قدوں میں سب سے، سِنوں میں بھی سب سے کم
نکلے تنوں سے سبطِ نبی کے قدم پہ دم — عُہدہ یہی ہے، بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو، تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے، آج تو مرنے میں نام ہے

پھر تم کو کیا، بزرگ تھے گر فخرِ روزگار — زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار — دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود، کہ نواسے علی کے ہیں

کیا کچھ علَم سے جعفرِ طیّار کا تھا نام — یہ بھی تھی اک عطائے رسولِ فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آتے انھی سے کام — جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بے جاں ہوتے تو نخلِ دعا نے ثمر دیے
ہاتھوں کے بدلے، حق نے جواہر کے پر دیے

[illegible] تین روز ہزیمت، اُٹھائی جب — بخشا عَلم رسولِ خدا نے علی کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب — در بند کر کے قلعے کا، بھاگی سپاہ سب
اُکھڑا وہ یوں، گراں تھا جو در سنگِ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتّا درخت سے

مرتے ہیں تین دن سے ہے مشکل کُشا کا لال — امّاں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
ہو تم کو یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال — میں لُٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غم خوار تم مرے ہو، نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے، طالب ہو نام کے

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام — غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال جو لیں اب عَلم کا نام — کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے، گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہو گی آپ کو، جب ہم نہ ہوئیں گے

[illegible] کہہ کے یہ بیٹھے جو سعادت نشاں پسر — چھاتی بھر آئی، ماں نے کہا، تھام کر جگر
[illegible] ہو اپنے مرنے کی پیارو، مجھے خبر — ٹھہرو، ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچّو! یہ کیا کہا کہ جگر پر چھُری لگی

زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہِ زمن — کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن!
[illegible] شیر، عاقل و جرّار و صف شکن — زینب! وحیدِ عصر ہیں دونوں یہ گُل بدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور، ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے / بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیوں کراں کے نہ قدموں سے مُنہ ملے / کس گود میں بڑے ہوئے، کس دودھ سے پلے
بے شک یہ ورثہ دارِ جنابِ امیر ہیں
پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

بس جس کو تم کہو اُسے دیں فوج کا علم / کی عرض، جو صلاحِ شہِ آسماں حشم
فرمایا، جب سے اُٹھ گئیں زہرائے باکرم / اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم، بزرگ کوئی ہو کہ خُرد ہو
جس کو کہو، اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام / ہے کس طرف توجّہِ سردارِ خاص و عام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام / قرآں کے بعد ہے، تو علی ہی کا کچھ کلام
شوکت میں، قد میں، شان میں، ہم سر کوئی نہیں
عبّاسِ نام دار سے بہتر کوئی نہیں

عاشق، غلام، خادمِ دیرینہ، جاں نثار / فرزند، بھائی، زینتِ پہلو، وفا شعار
جرّار، یادگارِ پدر، فخرِ روزگار / راحت رساں، مُطیع، نمودار، نام دار
صفدر ہے، شیر دل ہے، بہادر ہے، نیک ہے
بے مثل سیکڑوں میں، ہزاروں میں ایک ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن / ہاں تھی یہی علی کی وصیّت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ، کدھر ہے وہ صف شکن / اکبر چچا کے پاس گئے سُن کے یہ سخن
کی عرض، انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلیے پھپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عبّاس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ
جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینب وہیں علم لیے آئیں بہ عزّ و جاہ
بولے نشاں کو لے کے، شہِ عرش بارگاہ
اِن کی خوشی وہ ہے، جو رضا پنج تن کی ہے
لو بھائی، لو علم، یہ عنایت بہن کی ہے

رکھ کر علم پہ ہاتھ، جھکا وہ فلک وقار
ہمشیر کے قدم پہ ملا مُنہ بہ افتخار
زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
عبّاس! فاطمہ کی کمائی سے ہو شیار
ہو جائے آج صلح کی صورت، تو کل چلو
اِن آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

کی عرض، میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر
ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوجِ بد گہر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ، تو سینہ کروں سپر
دیکھیں اٹھا کے آنکھ، یہ کیا تاب، کیا جگر
ساونت ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

مُنہ کر کے سوئے قبرِ علی پھر کیا خطاب
ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابو تراب!
آقا کے آگے میں ہوں شہادت سے کامیاب
سر، تن سے، ابنِ فاطمہ کے رو بہ رو گرے
شبیر کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سُن کے آئی زوجۂ عبّاسِ نامور
شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفٰے کی بلائیں بہ چشمِ تر
زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدّق امام کا
عزّت بڑھی کنیز کی، رتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا — تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض، مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں، تو فدا — بانوے نامور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جییں، ترقیِ اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لے کے جائے — یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسین آئے
اُمّ البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے — جلدی شبِ عروسیِ اکبر خدا دکھائے
منہدی تمہارا لال ملے ہاتھ پانو میں
لاؤ دلھن کو بیاہ کے تاروں کی چھانو میں

ناگاہ آکے بالی سکینہ نے یہ کہا — کیسا ہے یہ ہجوم، کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا اُن کو مبارک کرے خدا — لوگو، مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمّو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان، علی کے نشان کی

عباس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ — عمّو نثار، پیاس سے کیا حال ہے، بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ — اب تو علم ملا تمھیں، پانی مجھے پلاؤ
تحفہ، نہ کوئی دیجیے، نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں، پانی کا اک جام دیجیے

باتوں پہ اُس کی، روتی تھیں سیدانیاں تمام — کی عرض، آکے ابنِ حسن نے کہ یا امام
انبوہ ہے، بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام — فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام
عباس اب علم لیے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو، بہن سے مل کے گلے، ہم بھی چلتے ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہوئی پکار	آتے ہیں اب حضور، خبردار، ہوشیار!
خلعت بہن رہے ہیں علم دار نام دار	نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہیں جاں نثار

بھائی بڑا ہے سر پہ، تو سایہ ہے باپ کا
عُہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

ناگہ بڑھے علم لیے عبّاسِ باوفا	دوڑے سب اہلِ بیت کھلے سر، برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ ایک ایک سے کہا	لو اَلوَداع اے حرمِ پاکِ مصطفےٰ!

صُبحِ شبِ فراق ہے، پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینبِ زار و حزیں گری	بانو پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بہ روئے زمیں گری	باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری

اجڑا چمن، ہر اِک گلِ تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

دیکھی جو شانِ حضرتِ عبّاسِ عرش جاہ	آگے بڑھی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ	نشتر بہ دل تھی بنتِ علی کی فغان و آہ

رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گلِ آفتاب سے

مولا چڑھے فرس پہ محمّد کی شان سے	ترکش لگایا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جنّ و انس و ملک کی زبان سے	اُترا ہے پھر زمیں پہ بُراق آسمان سے

سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلھن کا ہے، چہرہ پری کا ہے

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیے — بن بن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے — تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ، یہ پریوں کو شوق ہے
بالا دری میں اس کو ہما پر بھی فوق ہے

تھم کر ہوا چلی، فرسِ خوش قدم بڑھا — جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں، علم بڑھا — رایت بڑھا کے سروِ ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہنچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہنچ گئی

پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر — اِس کی ضیا تھی خاک پہ، ضو اُس کی عرش پر
زرریزیِ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر — دُولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو علم اِس ارتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شان — جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشان
کمریں کسے علم کے تلے ہاشمی جوان — دنیا کی زیب، دین کی عزت، جہاں کی جان
ایک ایک دودمانِ علی کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوّق، وہ باغ تھا

لڑکے وہ سات آٹھ، سہی قد، سمن عذار — گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار — کھیلیں تو نیمچوں سے، کریں شیر کا شکار
تیروں کی سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عیدگاہ میں دولھا بنے ہوئے

غُرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھو در ود بڑھ کے سوے لشکرِ امام
ہم شکلِ مصطفے ہے یہی عرش اِحتشام
رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبیؐ و علیؑ کا ہے

دُنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں
ہم جانتے تھے حُسن سے خالی ہے سب جہاں
کیوں کر سوے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حُسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حَسیں پہ ہے
محبوبِ حق ہیں عرش پہ، سایہ زمیں پہ ہے

ناگاہ تیر اُدھر سے چلے جانبِ امام
گھوڑا بڑھا کے آپ نے حُجت بھی کی تمام
نکلے اِدھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام
بے سَر ہوئے پروں میں سَرانِ سپاہِ شام
بالا کبھی تھی تیغ، کبھی زیرِ تنگ تھی
ایک اک کی جنگ، مالکِ اشتر کی جنگ تھی

نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہِ دیں
نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ کی صفوں پہ چلے شیرِ خشم گیں
کھینچی جو تیغ، بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کار زار
دونوں کے نیمچے تھے کہ چلتی تھی ذو الفقار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار
گنتی تھی زخمیوں کی، نہ کُشتوں کا کچھ شمار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ، وہ گوری کلائیاں آفت کی پھرتیاں تھیں، غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دہائیاں
شوکت ہُوَ ہُوَ تھی جنابِ امیرؑ کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینبؑ کے شیر کی

کس حُسن سے حَسنؑ کا جوانِ حسیں لڑا گھر گھر کے صورتِ اسدِ خشم گیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا سہرا الٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیے اسد کردگار کے
مقتل میں سوئے، ازرقِ شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرتِ عباسِؑ عرش جاہ روحُ الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعدِ روسیاہ کُشتوں سے بند ہوگئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی، تیغوں کی موجوں میں پیر کے

بے سر ہوئے مؤکّلِ سر چشمۂ فرات ہل چل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بدصفات گویا حباب ہو گئے تھے، نقطۂ حیات
عباسؑ بھر کے مشک کو یوں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہرواں میں امیرِ عربؑ لڑے

آفت تھی حرب و ضربِ علی اکبرِؑ دلیر غصّے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سر بلند پست، زبردست سب تھے زیر جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
سر اُن کے اُترے تن سے، جو تھے رن چڑھے ہوئے
عباسؑ سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

تلواریں برسیں صبح سے نصفُ النہار تک
ہلتی رہی زمین، لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک
نعرے بھر وہ تھے، نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دَور، برچھیوں کا اَوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

لاشے سبھوں کے سبطِ نبی خود اٹھا کے لائے
قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے
فرماتے تھے، بچھڑ گئے سب ہم سے، ہائے ہائے!
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر، وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبا تمام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام
برچھی تھی دل کو، فتح کے باجوں کی دھوم تھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ
اِک عُمر کا ریاض تھا جس پر لُٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بُکا سے، نہ ماتم سے ہے فراغ
جو گھر کی روشنی تھے وہ گُل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

مقتل سے آئے خیمے کے اندر شہِ زمن
پر، شدّتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
بیٹھ دَرے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بہ صد محن
اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن!
پھر ایک بار اُس مہِ انور کو دیکھ لیں
اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑی آلِ پیمبر برہنہ سر
اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوے نوحہ گر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر
منہ سے ملے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیم بر
غم کی چھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسین نے زانوے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر
تھا اُس طرف کمیں میں بنِ کاہلِ شریر
مارا جو تین بھال کا اُس بے حیا نے تیر
بس دفعۃً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفلِ شیر خوار
چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بہ حالِ زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار
اے خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علی کی ہے
دولت ہے فاطمہ کی، امانت نبی کی ہے

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے
واقف نہیں ہے قبر کی شب ہائے تار سے
اے قبر، ہوشیار مرے گل عذار سے
گردن چھدی ہوئی ہے، بچانا فشار سے
سید ہے، لال حضرتِ خیرُ النسا کا ہے
معصوم ہے، شہید ہے، بندہ خدا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام
آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کیے تھے بہ صد عز و احتشام
پیراہنِ مطہرِ پیغمبرِ انام
حمزہ کی ڈھال، تیغ شہِ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں لہ ولر   جرّار، بُردبار، سبک رَو، وفا شعار
کیا خوش نما تھا زینِ طلا کار و نقرہ کار   اکسیر تھا، قدم کا جسے مل گیا غُبار
خوش خو تھا، خانہ زاد تھا، دلدل نژاد تھا
شبّیر بھی سخی تھے، فرس بھی جواد تھا

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں   ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لُوں کہ الحذر، وہ حرارت کہ الاماں   ...ن کی زمیں تو سُرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہَوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لُوں، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب   کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب   خیمے جو تھے حبابوں کے، تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چار پایے نہ اٹھتے تھے تا بہ شام   مسکن میں مچھلیوں کے، سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلے تھے، تو چیتے سیاہ فام   پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ مومِ خام
سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے، سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سایے کی چاہ سے

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے، نہ برگ و بار   ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار   کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخِ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق، زرد تھے

آبِ رواں سے مُنہ نہ اُٹھاتے تھے جانور   جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر   خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے، ٹھہر جائے راہ میں
پڑجائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے   آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے   گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں   انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں   تہ پر تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ، گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی، کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب   چُھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب   کافورِ صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

اُس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ اُمم   نے دامنِ رسول تھا، نے سایۂ علَم
شعلے جگر سے آہ کے اٹھتے تھے دَم بہ دَم   اُودے تھے لب، زبان میں کانٹے، کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار
آتے تھے لوٹنے گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آبِ نہر پرند آ کے بے شمار
سقّے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دَد کو پلانا ثواب تھا
اِک ابنِ فاطمہ کے لیے قحطِ آب تھا

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر
خادم کئی تھے مِروحہ جُنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش مکرّر زمیں کو تر
فرزندِ فاطمہ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دُھوپ دشت کی، وہ جلال آفتاب کا
سونلا گیا تھا رنگِ مُبارک جناب کا

کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب!
بیعت جو کیجیے اب بھی، تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسین کہ او خانماں خراب!
دریا کو خاک جانتے ہیں ابنِ بوتراب
فاسق ہے، پاس کچھ تجھے اِسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو یہ، تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں، تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیل
چاہوں تو سلسبیل کو دَم میں کروں سبیل
کیا جامِ آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل
بے آبرو، خسیس، ستم گر، دنی، بخیل
جس پھُول پر پڑے ترا سایہ، وہ بُو نہ دے
کھُلوائے فصد تو، تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جَم کا نام لوں، تو ابھی جام لے کے آئے
کوثر یہیں رسول کے احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے
لشکر ملک کا، فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

فرما کے یہ، نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار تھرا کے پچھلے پانو ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار آوازِ کوسِ حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اُٹھا کے، جنگ پہ اسوار تُل گئے
کالے نشاں سیاہِ سیہ رُو میں کھُل گئے

وہ دھوم طبلِ جنگ کی، وہ بُوق کا خروش کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیوں کے ہوش
تھرائی یوں زمیں کر اُڑے آسماں کے ہوش نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا پر جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

جب رن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے، کہیں بڑھے گویا علی اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اِس طرح ہوئی وہ شعلہ رُو جدا جیسے کنارِ شوق سے ہو خوب رُو جدا
مہتاب سے شعاع جدا، گُل سے بُو جدا سینے سے دَم جدا، رگِ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد، ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا، لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسین یوں کہ عقاب آئے جس طرح کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یُوں تیغِ تیز کوند گئی اُس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرمی میں برقِ تیغ جو چمکی، شرر اُڑے — جھونکا چلا ہوا کا جو سَن سے، تو سر اُڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اُڑے — روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پَر اُڑے
ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت اثر ہوئے
جن پر علی لکھا تھا، وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ، دوپارا کیا اُسے — کھنچتے ہی، چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
واں تھی، جدھر اجل نے اِشارا کیا اُسے — سختی بھی کچھ پڑی، تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس پہ، نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی — دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی — سیل آئی زور و شور سے جب گھر گرا گئی
آپہنچا اُس کے گھاٹ پہ جو، مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

اس آب پر یہ شعلہ فشانی، خدا کی شان — پانی میں آگ، آگ میں پانی، خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی، خدا کی شان — اِستادہ آب میں یہ روانی، خدا کی شان
لہرائی جب، اُتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

قلب و جناح و میمنہ و میسرہ تباہ — گردن کشانِ اُمتِ خیرالورا تباہ
جنباں زمیں، صفیں تہ و بالا، پرا تباہ — بے جان جسم، روح مسافر، سرا تباہ
بازار بند ہو گیا، جھنڈے اکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ، محلّے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و بُرش اُس شعلہ رنگ کی — چمکی سوار پر، تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی، طلب گار جنگ کی — حاجت نہ سان کی تھی، اُسے کچھ، نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو، لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار رَد میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغِ خزاں تھی، گلشنِ ہستی سے کیا اُسے — گھر جس کا خود اُجڑ گیا، بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی، کفر پرستی سے کیا اُسے — جو آپ سر بلند ہو، پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے، وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ، بُرش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجا لہو ہوا — گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الاماں کا غُل چار سُو ہوا — جو اُس کے مُنہ پہ آگیا، بے آبرو ہوا
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اُس کی آنچ سے

بجھ بجھ گئیں صفوں پہ صفیں، وہ جہاں چلی — چمکی تو اِس طرف، اُدھر آئی، وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری، کہاں چلی — اُس نے کہا یہاں، وہ پکارا، وہاں چلی
مُنہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے، وہ دھوئے تھے جاں سے ہاتھ — گردن سے سر الگ تھا، جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر، کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ — جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دست یاب نہیں مُنہ چھپانے کو
ہاں پانو رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوف تیغِ شہِ کائنات کا
زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا پہ حال یہ تھا ہر اِک بدصفات کا
چارہ فرار کا نہ تھا، نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرنی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو، خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بہ سر
مُنہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج، چھوڑ کے گرداب کی سپر
تھے تہ نشیں نہنگ، مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اُس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانو میں چھالے حباب کے

آیا خدا کا قہر، جدھر سن سے آگئی
کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آگئی
دو کر کے خود، زین پہ جوشن سے آگئی
کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغِ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بوتراب کی

پس پس کے کشمکش میں کماں دار مر گئے
چلّے تو سب چڑھے رہے، بازو اُتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے، تیروں کے پر گئے
مقتل میں ہو سکا نہ گزارا، گزر گئے
دہشت سے ہوش اُڑ گئے تھے مکر و وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے مُنہ سہم سہم کے

تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور
گوشہ کہیں نہ ملتا تھا اُن کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور
لشکر میں خوفِ جاں نے انھیں کر دیا تھا کور
ہوش اُڑ گئے تھے فوجِ ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے، سوفار جان کے

صف پر صفیں، پروں پہ پرے، پیش دپس گرے
اسوار پر سوار، فرس پر فرس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے
مخبر پہ پیک، پیک پہ مر کر عسس گرے
ٹوٹے پرے، شکستِ بنائے ستم ہوئی
دُنیا میں اِس طرح کی بھی آفتاد کم ہوئی

غصّے تھا شیرِ شرزۂ صحرائے کربلا
چھوڑے تھے گرگ منزل دماوائے کربلا
تیغِ علیؑ تھی معرکہ آرائے کربلا
خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
بستی بسی تھی مُردوں کی، قریے اُجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین، سروں کے پہاڑ تھے

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
تھی مرگِ ذکشمکش فلکِ پیر کے تلے
چلّے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے
چھپتی تھی سر جھکا کے کماں، تیر کے تلے
اُس تیغِ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب، پہ گوشۂ امن واماں نہ تھا

چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
رہ رہ کے ابرِ شام سے وہ بارشِ خدنگ
وہ شورِ صیحۂ فرسِ ابلق و سرنگ
وہ لوں، وہ آفتاب کی تابندگی، وہ جنگ
پُھنکتا تھا دشتِ کیں، کوئی دل تھا نہ چین سے
اُس دن کی تاب وتب کوئی پوچھے حسینؑ سے

سقّے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے اِدھر
بازارِ جنگ گرم ہے، ڈھلتی ہے دوپہر
پیاسا جو ہو، وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب، حسینؑ ترستے تھے آب کو

گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
اُف اُف کبھی کہا، کبھی چہرے پہ لی سپر
آنکھوں میں تیس اٹھی، جو پڑی دھوپ پر نظر
جھپٹے کبھی اِدھر، کبھی حملہ کیا اُدھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

سیراب چھپتے پھرتے تھے، پیاسے کی جنگ سے
چلتی تھی ایک تیغِ علی لاکھ رنگ سے
جھکی جو فرق پر، تو نکل آئی تنگ سے
رُکتی تھی نے سپر سے، نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر
پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر
گوشوں کو ڈھونڈتی تھیں زمیں پر جھکائے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی، یہ جگر نہ تھا
سپر پہ جس نے ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

گھوڑے کی وہ تڑپ، وہ چمک تیغِ تیز کی
سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی
تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہو گئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرا لیے تھے کارزار سے

گھوڑوں کی جست و خیز سے اٹھا غبار زرد
گردوں میں مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تودا بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد
کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیٔ نبرد
پنہاں نظر سے نیّرِ گیتی فروز تھا
ڈھلتی تھی دوپہر، پہ نہ شب تھی، نہ روز تھا

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی ۔ سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے وہ لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی ۔ تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غل، جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسین کی ۔ اللہ کا غضب ہے لڑائی حسین کی
دریا حسین کا ہے، ترائی حسین کی ۔ دنیا حسین کی ہے، خدائی حسین کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفان سے نوح کا
اب رحم، واسطہ علی اکبر کی روح کا

اکبر کا نام سن کے، جگر پر لگی سناں ۔ آنسو بھر آئے، روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاشِ پسر کو شہِ زماں ۔ تم نے نہ دیکھی جنگ پدر، اے پدر کی جاں
قسمیں تمہاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابنِ سعد ۔ اے وافضیحتا! یہ ہزیمت، ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلافِ وعد ۔ اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثالِ رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابنِ سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد، کلفت و تنومند و خیرہ سر ۔ روئیں تن و سیاہ دروں، آہنی کمر
ناوک، پیام مرگ کے۔ ترکش، اجل کا گھر ۔ تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ، وہ سپر
دل میں بدی، طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اس کے اور اسی قد و قامت کا ایک یل
آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابرووں پہ بل
بدکارہ بدشعار و ستم گار و پُر دغل
جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لیے، کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضربِ گرز پہ، یہ تیغِ تیز پر

کھنچ جائے شکلِ حرب، وہ تدبیر چاہیے
دشمن بھی سب مقر ہوں، وہ تقریر چاہیے
تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیے
فولاد کا قلم دمِ تحریر چاہیے
نقشا کھینچے گا صاف صفِ کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا، فوجوں میں کھلبلی
ساونت بے حواس، ہراساں دھنی، بلی
ڈر تھا کہ لو حسین بڑھے، تیغ اب چلی
غل تھا، اِدھر ہیں مرحب و عنتر، اُدھر علی
کون آج سربلند ہو اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھیے کس کی شکست ہو

آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں
بسم اللہ، اے امیرِ عرب کے سرورِ جاں
بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہِ زماں
اٹھی علی کی تیغِ دو دم چاٹ کر زباں
واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منہ میں اِدھر ذوالفقار کے

لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لگائے
وہ بدنظر تھا آنکھوں میں آنکھیں اِدھر گڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی، یا ابر گڑگڑائے
غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے
ماری جو ٹاپ، ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پانو
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پانو

تیرِ بلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند   مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
پر، کماں سے بھی نہ ہوا کچھ وہ بہرہ مند   چلّا اُدھر کھنچا کہ چلی تیغ سر بلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں، نہ پیکاں خدنگ میں

ظالم اٹھا کے گرز کو آیا جناب پر   طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
مارا جو ہاتھ، پانو جما کر رکاب پر   بجلی گری شقی کے سرِ پر عتاب پر
یہ ہاتھ میں شکست، ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ، ایک ہاتھ میں

کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار   پہنچے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغِ آبدار   یاں سر سے آئی پشت کے مہروں پہ ذوالفقار
قربان تیغِ تیزِ شہِ نامدار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے، دو راہوار کے

پھر دوسرے پہ گرز اُٹھا کر پکارے شاہ   کیوں، ضربِ ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ!
سرشار تھا شرابِ تکبر سے روسیاہ   جانا کہاں کہ موت تو روکے ہوتے تھی راہ
غُل تھا، اُسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

آیا تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا   ثابت ہوا کہ شیرِ گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا   ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا
پیوندِ صدر زیں، جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر
شیروں سے دشت، گرگ سے بَن، اژدروں سے در
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر
اُڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کر
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کر

آئی صدائے غیب کہ شبّیر، مرحبا!
اِس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر، مرحبا!
یہ آبرو، یہ جنگ، یہ توقیر، مرحبا!
دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر، مرحبا!
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

بس اب نہ کر وغا کی ہوس، اے حسین، بس
دم لے ہوا میں چند نفس اے حسین، بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس، اے حسین بس
وقتِ نمازِ عصر ہے، بس اے حسین، بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں ازدحام میں
اب اہتمام چاہیے امّت کے کام میں

لبیک کہہ کے، تیغ رکھی شہ نے میان میں
پلٹی سپاہ، آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں
پھر کھل گئے، لپیٹ کے پھریرے نشان میں
بے کس حسین، ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمھارے، لاکھ سواروں میں گھر گئے

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر
چھاتی پہ لگ گئے کئی سو، ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں، سینے کے پار تیر
پڑتے تھے دس، جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِّ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسین پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسین پر
یہ دُکھ نبی کی گود کے پالے حسین پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسین پر
تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

دکھوں میں ایک بےکس و دلگیر، ہائے ہائے!
فرزندِ فاطمہ کی یہ توقیر، ہائے ہائے!
بھالے وہ اور پہلوئے شبّیر، ہائے ہائے!
وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر، ہائے ہائے!
غُصّے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسین پہ ترکش بھرے ہوئے

وہ گرد تھے، جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ
اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبطِ نبی کا رنگ
ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے، ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

لکھا ہے، تین بھال کا تھا ناوکِ ستم
مُنہ کھل گیا، اُلٹ گئی گردن، رُکا جو دم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بہ چشمِ نم
بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے، ہو کے خم
اُبلا جو خوں، نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
چلّو رکھا جو زخم کے نیچے، تو بھر گیا

دشمن تھا شہ کا اعورِ سلمی، عدوئے دیں
سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنانِ کیں
بھاگا، گڑو کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرّا گئی ضریح رسالت پناہ کی

گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے، ہے غضب!   نکلی رکاب پائے مطہر سے، ہے غضب!
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے، ہے غضب!   غش میں جھکے، عمامہ گرا سر سے، ہے غضب!

قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی، عرش گر پڑا

گر کر کبھی اُٹھے، کبھی رکھا زمیں پہ سر   اُگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر   کروٹ کبھی تڑپ کے اِدھر لی کبھی اُدھر

اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بل گرے

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا   اُمت نے مجھ کو لوٹ لیا، وا محمدا!
اس وقت کون حقِ رفاقت کرے ادا   ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا!

انیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینب نکل، حسین تڑپتا ہے خاک پر

پردہ اُلٹ کے بنتِ علی نکلی ننگے سر   لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرقِ خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر   اے کربلا! بتا ترا مہمان ہے کدھر

اماں! قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہنچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اِس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ   لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
سید کدھر تڑپتا ہے، اماں کدھر ہیں آہ!   کس سمت ہے نبی کے نواسے کی قتل گاہ

شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

کس نے صدا یہ دی کہ بہن! اس طرف نہ آؤ
بس اب سفر قریب ہے، للہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ
یا مرتضیٰ! غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
اب چھوڑ لو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہ! بچھا لو ردا میں حسینؑ کو

بنتِ علیؑ تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر
کٹتا تھا نورِ چشمِ علیؑ کا گلا اُدھر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر
لیکن وہ دوڑی جاتی تھی تھامے ہوئے جگر
پہنچی جو قتل گاہ میں اُس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
سیّد! تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیّا چھری کی دھار
بھولے بہن کو لے اسدِ حق کی یادگار!
صدقے گئی، لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی ذکرِ الٰہ میں

بھیّا! سلام کرتی ہے خواہر، جواب دو
چلّا رہی ہے دخترِ حیدر، جواب دو
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبر جواب دو
کیوں کر جیے گی زینبِ مضطر، جواب دو
جز مرگ، دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

بھیّا! میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں، کیا کروں
کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں، کیا کروں
کس کی دُہائی دوں، کسے چلّاؤں، کیا کروں
بستی پرائی ہے، میں کدھر جاؤں، کیا کروں
دُنیا تمام اُجڑ گئی، ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر، تو عزا خانہ ہو گیا

ہے ہے تمھارے آگے خواہر گزر گئی　　بھیا بتاؤ، کیا تہِ خنجر گزر گئی
آئی صدا، نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی　　صد شکر جو گزر گئی، بہتر گزر گئی
سر کٹ گیا، ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوجِ نابکار　　کہیو نہ کچھ زباں سے بہ جز شکرِ کردگار
خیمے میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار　　رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار
بے زار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اُس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیسؔ ضعف سے لرزاں ہے بند بند　　عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند　　عالم پسند لفظ ہیں، سلطاں پسند بند
یہ فصل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں، خزاں کی بہار ہے

نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری　　ناطقے بند ہیں، سُن سُن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں، وہ رنگیں ہے عبارت میری　　شور جس کا ہے، وہ دریا ہے طبیعت میری
عُمر گزری ہے اِسی دشت کی سیّاحی میں
پانچویں پُشت ہے شبّیر کی مدّاحی میں

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کردوں　　بحرِ مَوّاجِ فصاحت کا تلاطُم کردوں
ماہ کو مہر کروں، ذرّے کو انجم کردوں　　گُنگ کو، ماہرِ اندازِ تکلّم کردوں
دردِ سر ہوتا ہے، بے رنگ نہ فریاد کریں
بُلبُلیں مُجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

اِس ثناخواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مدّاح　　جدِّ اعلا سا نہ ہوگا کوئی اعلا مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے، دادا مدّاح　　عمّ ذی قدر، ثناخوانوں میں یکتا مدّاح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا، نیک ہوا
نام بڑھتا گیا، جب ایک کے بعد ایک ہوا

خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب　　نام لے، دھولے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بُلبُلِ گلشنِ زہرا و علی، عاشقِ رب　　مُتّبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جن کے سب
ہو اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے
اِس احاطے سے جو باہر ہے، وہ بیرونی ہے

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خصال
جن کا سینہ گہرِ علم سے ہے مالا مال
یہ فصاحت، یہ بلاغت، یہ سلاست، یہ کمال
معجزہ گر اسے کہیے نہ، تو ہے سحرِ حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھیے، لاثانی ہے
لُطف حضرت کا یہ ہے، رحمتِ یزدانی ہے

کیوں نہ ہو، بندۂ موروثیِ مولا ہوں میں
قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرا ہوں میں
جس میں لاکھوں دُر و مرجاں ہیں، وہ دریا ہوں میں
مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہرا ہوں میں
وصف جوہر کا کروں، یا صفتِ ذات کروں
اپنے رتبے پہ نہ کیوں آپ مباہات کروں

مُبتدی ہوں، مجھے توقیر عطا کر یارب.
شوقِ مدّاحیِ شبّیر عطا کر یارب!
سلکِ گوہر ہو، وہ تقریر عطا کر یارب!
نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یارب!
جدّ و آبا کے سوا، اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مُغلق نہ ہو، گنجلک نہ ہو، تعقید نہ ہو

وہ مرقّع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہلِ شعور
ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے، کہیں نور
غل ہو، یہ ہے کششِ مُو قلمِ طرّہ ٔ حُور
ایک اِک حرف میں ہو صنعتِ صانعؑ کا ظہور
کوئی ناظر، جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقشِ ارژنگ کو، کاواک لکیریں سمجھے

قلزمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو، تو بہزاد ہو دنگ
خوں برستا نظر آئے، جو دکھا دوں صفِ جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرہ شرفا کا ہو، سلاست ہو وہی — لب ولہجہ وہی سارا ہو، متانت ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے، صنعت ہو وہی — یعنی موقع ہو جہاں جس کا، عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہوں، مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

ہے کجی عیب، مگر حسن ہے ابرو کے لیے — سرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لیے
تیرگی بد ہے، مگر نیک ہے گیسو کے لیے — زیب ہے خالِ سیہ، چہرۂ گُل رو کے لیے
داند آنکس کہ فصاحت بکلامی دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامی دارد

بزم کا رنگ جدا، رزم کا میداں ہے جدا — یہ چمن اور ہے، زخموں کا گلستاں ہے جدا
فہم کامل ہو تو، ہر نامے کا عنواں ہے جدا — مختصر پڑھ کے، رُلا دینے کا ساماں ہے جدا
دبدبہ بھی ہو، مصائب بھی ہوں، توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں، رقت بھی ہو، تعریف بھی ہو

ماجرا صبحِ شہادت کا بیاں کرتا ہوں — رنج و اندوہ و مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں — جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں، ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے، نہ صاحب ایسا

صبحِ صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور — زمزمے کرنے لگے یادِ الٰہی میں طیور
مثلِ خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور — یک بہ یک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رُخِ مولا سے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا، چاند کا چہرہ فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں، وہ بیاباں، وہ سحر
دَم بہ دَم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر
لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بلبلوں کی وہ صدائیں، وہ گلوں کی خوشبو
دل کو اُلجھاتے تھے سنبل کے وہ پُرخم گیسو
قمریاں کہتی تھیں شمشاد پہ، یاہو، یاہو
فاختہ کی یہ صَدا سرو پہ تھی، کُو کُو کُو
وقت تسبیح کا تھا، عشق کا دَم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

آئے سجّادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں
اُس طرف طبل بجے، یاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلّی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں
وہ نمازی کہ جو ایماں کے تنِ پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کیے تلواروں میں

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے، سبحان اللہ!
کیا رفیقانِ وفادار تھے، سبحان اللہ!
صفدر و غازی و جرار تھے، سبحان اللہ!
زاہد و عابد و ابرار تھے، سبحان اللہ!
زن و فرزند سے فرقت ہوئی، مسکن چھوڑا
مگر احمدؐ کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

گو مصیبت میں، تلاطم میں، تباہی میں رہے
سَر کٹے، پانو مگر راہِ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے
جس طرح تیغِ دو دَم دستِ سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی اُن کو
آبرو ساقیِ کوثر نے عطا کی اُن کو

سوم نوالا دہو، آوازوں میں وہ سوز و گداز
اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سرِ تو سجادوں پہ تھے، عرشِ معلا پہ نماز
شیر دل، منتخبِ دہر، وحید و ممتاز

چاند شرمندہ ہو، چہرے متجلی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر، نہ مصلّی ایسے

جب فریضے کو ادا کر چکے وہ خوش کردار
کس کے کمروں کو، بہ صد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہِ عرش وقار
عَلَم فوج کو عباسؑ نے کھولا اک بار

دشت میں نکہتِ فردوسِ بریں آنے لگی
عرش تک اُس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی

لہر وہ سبز پھریرے کی، وہ پنجے کی چمک
شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا خورشیدِ فلک
کہتے تھے صلِّ علیٰ عرش پہ اٹھ اٹھ کے ملک
دنگ تھے سب، وہ سماں تھا سماں تا بہ سمک

کہیے پستی اسے، جو اوج، ہُما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

وہ عَلَم دار کہ جو شیرِ الٰہی کا خلف
گوہرِ بحرِ وفا، نیرِ دیں، درِّ نجف
فخرِ حمزہ سے، نمودار تھا جعفر کا شرف
کس طرح چاند کہوں، چاند میں ہے عیبِ کلف

کس نے پایا وہ، جو تھا جاہ و حشم اِن کے لیے
یہ علم کے لیے تھے اور عَلَم اِن کے لیے

اِک طرف اکبرِ مہ رو سا جوانِ نایاب
کچھ جو بچپن تھا، تو کچھ آمدِ ایامِ شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب
آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب

جس نے اُن گیسوؤں میں، رُخ کی ضیا کو دیکھا
شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو دیکھا

اے خوشا حُسنِ رُخِ یوسفِ کنعانِ حسن
راحتِ روحِ حسین ابنِ علی، جانِ حسن
جسم میں زورِ علی، طبع میں احسانِ حسن
ہمہ تن خلقِ حسن، حُسنِ حسن شانِ حسن
تن پہ کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

اللہ اللہ، اسد اللہ کے نواسوں کا جلال
چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بل
نیچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال
گرچہ بچپن تھا، پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ
وہی سارا اسد اللہ کا نقشا، وہی ڈھنگ
سُرخ چہرے تھے کہ شیروں کا بھی ہوتا ہے رنگ
ولولہ صف کے اُلٹنے کا، لڑائی کی اُمنگ
جسم پر تیر چلیں، نیزۂ خوں خوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

یک بہ یک طبل بجا، فوج کے گرجے بادل
کوہ تھرائے، زمیں ہل گئی، گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے، تلواروں کے پھل
مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکلِ اجل
واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوجِ اسلام میں نعرہ ہوا یا حیدرؑ کا

شور میدانیوں میں تھا کہ دلیرو! نکلو
نیزہ بازی کرو، رہ واروں کو پھیرو، نکلو
نہر قابو میں ہے، اب پیاسوں کو گھیرو، نکلو
غازیو! صف سے بڑھو، غول سے شیرو! نکلو
رستمو! دادِ وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدرِ کرّار کی اولاد کا ہے

شور سادات میں تھا، یا شہِ مرداں مدد دے! کعبۂ دیں مدد دے، قبلۂ ایماں مدد دے!
قوتِ بازوئے پیغمبرِ ذی شاں مدد دے! دمِ تائید ہے، اے فخرِ سلیماں مدد دے!
تیسرا فاقہ ہے، طاقت میں کمی ہے مولا!
طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے مولا!

سامنے بڑھ کے یکایک صفِ کفار آئی جھوم کر تیرہ گھٹا تاروں پہ یک بار آئی
روزِ روشن کے چھپانے کو شبِ تار آئی تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی
ہنس کے مُنہ بھائیؑ کا شاہِ شہداؑ نے دیکھا
اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

عرض عباسؑ نے کی، جوش ہے یاروں کو تیر سب کھاتے ہیں، تولے ہوئے تلواروں کو
مہمانوں کا نہیں پاس ستم گاروں کو مصلحت ہو تو رضا دیجیے غم خواروں کو
رُو سیاہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں، تو مُنہ پہ چڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا، مجھے خود ہے شہادت منظور نہ لڑائی کی ہوس ہے، نہ شجاعت کا غرور
اِن سے منظور نہ تھی جنگ، پر اب ہوں مجبور خیر لڑلو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور
ذبح کرنے کے لیے لشکرِ ناری آئے
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

حکم پانا تھا کہ شیروں نے اُڑائے تازی مثلِ شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
واہ رے حرب، خوشا ضرب، زہے جانبازی اُڑ گیا ہاتھ، بڑھا جو پئے دست اندازی
تن و سر لوٹتے رِیتی پہ نظر آتے تھے
ایک حملے میں قدم فوج کے اٹھ جاتے تھے

جس پہ غصّے میں گئے، صید پہ شہباز گرا
یہ کماں کٹ کے گری، وہ قدر انداز گرا
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے تو ممتاز گرا
نہ اُٹھا پھر کبھی، جو تفرقہ پرداز گرا
ہاتھ مُنہ کٹ گئے، سر اُڑ گئے، جی چھوٹ گئے
مورچے ہو گئے پامال، پرے ٹوٹ گئے

بعد غیروں کے، عزیزوں نے کیا عزمِ نبرد
سر کو نہوڑا کے بھرا سبطِ نبی نے دمِ سرد
ہُوک اُٹھی کبھی سینے میں، تو دل میں کبھی درد
سُرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد
کوئی گل رُو تو کوئی سروِ سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے، گودی میں جنھیں پالا تھا

یہی ہنگامہ رہا صُبح سے تا وقتِ زوال
لاش پر لاش گری، بھر گیا میدانِ قتال
مورچے سب تہ و بالا تھے، پرے سب پامال
سُرخ رُو خلق سے اُٹھّے اسدُ اللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی فوج میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا، سب یہی سمجھے کہ علی لڑتے ہیں

دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا
پتّا پتّا ہوا تاراج، تو بُوٹا بُوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا، بھائی سے بھائی چھوٹا
ابنِ زہرا کی کمر جھک گئی، بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور، نہ وہ جاں باز، نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسین ابنِ علی تنہا تھے

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے
سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں پیاس سے مثلِ گلِ نرمژ جھائے
مر گئے پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے
دھوپ پڑتی تھی یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا
نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ، نہ سایا تھا

صاحبِ فوج پہ طاری تھا عجب رنج و ملال　　زرد تھا رنگ، تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا، کبھی بیٹے کا خیال　　کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال
کبھی بڑھتے تھے وغا کو، کبھی رک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

بڑھ کے چلّاتے تھے بے درد کہ اب آپ آئیں　　جوہرِ تیغِ شہنشاہِ نجف دکھلائیں
مَرنے والے نہیں جیتے، جو سنائیں کھائیں　　کاٹ لیں آپ کا سر تن سے، جو فرصت پائیں
پسرِ سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو، حاضر ہوں میں　　نہ تو لڑنے میں نہ مر جانے میں قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں، بے یار و ناصر ہوں میں　　شہر و صحرا ابھی تمھارا ہے، مسافر ہوں میں
لوٹ لو، پھونک دو، تاراج کرو، بہتر ہے
کلمہ گویو! یہ تمھارے ہی نبی کا گھر ہے

کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی　　جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر عالی
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ، نہ کوئی والی　　اُن کو ڈھونڈو، کوئی رہ جائے...
یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوئیں جس میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روئیں جس میں

سُن کے، اِن باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب　　گر لکھوں اُس کو تو ہو جائے جگرِ سنگ کا آب
قلب بھر آگیا، ہرگز نہ رہی ضبط کی تاب　　دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہِ عرش جناب
اشک خالی لیے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے

تھم کے چلائے کہ اے زینب و اُمِّ کلثوم !
تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسینِ مظلوم
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکرِ شوم
ہاں جگا دو اُسے، غش ہو جو سکینہ معصوم
نہیں ملتا جو زمانے سے گزر جاتا ہے
کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

یہ صدا سُن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے
شہ کی آواز پہ سب بے کس و بے پر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے
بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے
رو کے چلائی سکینہ، شہِ والا آؤ
میں تمھیں ڈھونڈھتی تھی دیر سے، بابا آؤ

آؤ اچھے مرے بابا، میں تمھارے واری
دیکھو تم بن، ہیں گلے تک مرے آنسو جاری
آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری
ہاتھ پھیلا کے کہو، آ، مری بیٹی پیاری
مُنہ چھپانے کی ہے کیا وجہ، نہ شرماؤ تم
اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی، چلے آؤ تم

دیکھ کر پردے سے کہنے لگی یہ زینبِ زار
ابنِ زہرا! تری مظلومی و غربت کے نثار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار
شہ نے فرمایا، بہن! مر گئے سب مونس و یار
تم نے پالا تھا جسے ہم اُسے رو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

مُنہ دکھائیں کیسے، سب سے ہے ندامت زینب!
گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو مہلت زینب!
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت، زینب!
بھائی جاتا ہے، دکھا دو ہمیں صورت، زینب!
نہ تو سر کھولو، نہ مُنہ پیٹو، نہ فریاد کرو
بھول جاؤ ہمیں، اللہ کو اب یاد کرو

صبر سے خوش ہے خدا، اے مری غم خوار بہن! — سہل ہو جاتا ہے جو امر ہو دشوار، بہن!
[illegible] کا ہے طریقہ تمھیں درکار بہن! — پھر میں کہتا ہوں، سکینہ سے خبردار بہن!
ناز بردار رہے، مرے بعد الم اُس پہ نہ ہو
بُندے کانوں سے اُتارو کہ ستم اُس پہ نہ ہو

کہیو عابد سے یہ پیغام مرا، بعدِ سلام — غش تھے تم، پھر گئے دروازے تلک آکے امام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو تم اے گل فام — کاٹیو صبر و رضا سے سفرِ کوفہ و شام
ناؤ منجھدار میں ہے، شورِ تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے، گھر جانے، بس اب تم جانو

کہہ کے یہ، باگ پھرائی طرفِ لشکرِ شام — پڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبی میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام — رعب سے فوج کے دل ہل گئے، کانپے اندام
سر جھکے اُن کے جو کامل تھے زباں دانی میں
اُڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں — مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے، نہ مرنے سے ہراساں ہوں میں — تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے، آرام کسے کہتے ہیں
اِس پہ شکوہ نہیں کچھ، صبر اسے کہتے ہیں

اُس کا پیارا ہوں جو ہے ساقیِ حوضِ کوثر — اُس کا بیٹا ہوں، جو ہے فاتحِ بابِ خیبر
اُس کا فرزند ہوں، کی جس نے مہم بدر کی سر — اُس کا دلبر ہوں میں، دی جس کو نبی نے دختر
صاحبِ تخت ہوئے، تیغ ملی، تاج ملا
دوشِ احمدؐ پہ اُنھیں رتبۂ معراج ملا

بے وطن ہوں، نہ مسافر کو ستاؤ للہ قتل کیوں کرتے ہو تم، کون سا میرا ہے گناہ
اب کوئی ساتھ، نہ یاور ہے، نہ لشکر، نہ سپاہ تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام، نہ زر پاؤ گے
یاد رکھو، مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
چوم کر تیغ کے قبضے کو، پکارے شبیر لو خبردار، چمکتی ہے علی کی شمشیر
پسرِ فاتحِ صفین و حنین آتا ہے
لو صفیں باندھ رکو تو، حسین آتا ہے

لو کھنچی تیغِ دو سر، فوج پہ آفت آئی لو ہلا قائمۂ عرش، قیامت آئی
فتح تسلیم کو، آداب کو نصرت آئی فخر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی
چوم لوں پانو، جلال اس تگ و دو میں آیا
ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

آپ سیدھے جو ہوئے، رخش نے بدلے تیور دونوں آنکھیں اُبل آئیں کہ ڈسے باغیِ شر
تھوتھنی مل گئی سینے سے، کیا دم کو چنور مثلِ طاؤس اُڑا گاہ اِدھر، گاہ اُدھر
دم بہ دم گرد نسیمِ سحری پھرتی تھی
جھوم کر پھرتا تھا گویا کہ پری پھرتی تھی

ابر ڈھالوں کا اُٹھا، تیغ دو پیکر چمکی برق چھپتی ہے، یہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے بستی کبھی کوندی، کبھی سر پر چمکی کبھی انبوہ کے اندر، کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن، اُسے ڈستے دیکھا
مینہ سروں کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے
گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے
روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے

کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہ نو میں دیکھا

اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا، کوئی چار
نہ پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت، نہ سوار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار
غضب اللہ علیہم کے عیاں تھے آثار

موت ہر غول کو برباد کیے جاتی تھی
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لیے جاتی تھی

وہ بُرش اور وہ چمک اور وہ صفائی اُس کی
کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اس کی
اِس کا بازو جو اُڑایا تو کلائی اُس کی
جس کی گردن سے وہ گزری اجل آئی اس کی

صورتِ مرگ کسی نے کبھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی تو کمر سے اُسے جاتے دیکھا

کبھی چہرہ، کبھی شانہ، کبھی پیکر کاٹا
کبھی در آئی گلے میں، تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر، کبھی جوشن، کبھی بکتر کاٹا
طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا

بُرشِ تیغ کا غل قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا، پہ منہ صاف رہا

نہ رُکی خود پہ وہ اور نہ سر پر ٹھہری
نہ کسی تیغ پہ دم بھر، نہ سپر پر ٹھہری
نہ جبیں پر، نہ گلے پر، نہ جگر پر ٹھہری
کاٹ کر زیں کو، نہ گھوڑے کی کمر پر ٹھہری

جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی — یک بہ یک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی
بگڑی اِس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی — تیغ کیا آئی کہ اُڑتی ہوئی ناگن آئی
غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اِس کا جو چڑھے گا تو اُترنے کا نہیں

وہ چمک اُس کی، سروں کا وہ برسنا ہر سو — گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لبِ جو
آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو — اور دَم بڑھتا تھا، پیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن، تو کبھی صدرِ کُشادہ کاٹا
جب چلی، ضربتِ سابق سے زیادہ کاٹا

تنِ تنہا شہِ دیں لاکھ سواروں سے لڑے — بے سپر، برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے — دو سے اک لڑ نہیں سکتا، یہ ہزاروں سے لڑے
گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جانِ علی ابنِ ابی طالب ہو

شیر سے تھے کبھی جنگل میں، ترائی میں کبھی — ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغِ حیدر نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی — فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کبھی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا
جس پہ اِک بار چلی، اس کو دوبارہ دیکھا

آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں — رخش وہ رخش کہ سب برق کی سرعت جس میں
تیغ وہ تیغ، عیاں موت کی صورت جس میں — ہاتھ وہ ہاتھ، یداللہ کی طاقت جس میں
روک لے وار، جگر کیا کسی بے پسر کا ہے
زور وہ جس میں اثر فاطمہ کے شیر کا ہے

ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دُہائی مولا! ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی مولا!
الاماں، خوب سزا جنگ کی پائی مولا! آپ کرتے ہیں بُروں سے بھی بھلائی مولا!
ہاتھ ہم باندھتے ہیں، پھینک کے شمشیروں کو
بخشیے امّتِ نا اہل کی تقصیروں کو

آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام! یہ وغا تیرے کرفاقے میں، بشر کا نہیں کام
اے محمدؐ کے جگر بند، امام ابنِ امام! لوحِ محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترا نام
اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا
ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

تھم گئے سُن کے یہ آوازِ شہِ جنّ و بشر روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر
عید ہو، جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر شمرِ اظلم ہے کدھر کھینچ کے لائے خنجر
ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے
بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

کہہ کے یہ، میان میں مولا نے رکھی تیغِ دودم ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے سے کہ تھم
رہ گیا سر کو ہلا کر فرسِ تیز قدم چار جانب سے مسافر پہ چلے تیرِ ستم
نیزے یوں گرد تھے، جیسے گُلِ تر خاروں میں
چھپ گئے سبطِ نبی ظلم کی تلواروں میں

پہلے تیروں سے کماں داروں نے چھاتی چھانی نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں، زخمی ہوئی پیشانی خوں سے تر ہو گیا حضرت کا رُخِ نورانی
جسم سب چور تھا، پُرزے تھے زرہ جامے کے
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمامے کے

ہاتھ سے باگ جدا تھی تو رکابوں سے قدم
غش میں سید کبھی ہوتے تھے فرس پر، کبھی خم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے دڑیڑے پیہم
کوئی بے کس کا مددگار نہ تھا، ہائے ستم!
مارے تلواروں کے، مہلت تھی نہ دم لینے کی
کوششیں ہوتی تھیں کعبے کے گرا دینے کی

نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا
گر پڑا خاک پہ وہ عرشِ خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں چونکا جو علی کا پیارا
نیزہ سینے پہ، سناں ابنِ انس نے مارا
واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
یاں بہن خیمے کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمنِ دیں
جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمرِ لعین
آسماں ہل گئے، تھرا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
یا تو قرآں پہ رکھا، حلق پہ خنجر رکھا

ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ، بنتِ علی چلائی
ذبح ہوتے ہو مرے سامنے، ہے ہے بھائی!
ضربِ اول تھی کہ تکبیر کی آواز آئی
گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علی کی جائی
اٹھ کے دوڑی تھی کہ ہنگامۂ محشر دیکھا
منہ کو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

رو کے چلائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسین!
فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسین!
کچھ مجھے آنکھ سے ہوتا نہیں معلوم حسین!
ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین!
مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی!
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی!

بس انیسؔ آگے نہ لکھ زینبِ ناشاد کے بین ۔۔۔ قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ میں تھی لاشِ حُسینؑ
قبر بھی نہ ملا احمدِ مختار کو چین ۔۔۔ گھر جلا، قید ہوئی آلِ رسولِ الثقلین

کتنے گھر شاہ کے مر جانے سے برباد ہوئے
لُٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

انتخابِ دبیر

کس کا علم، حسینؑ کے منبر کی زیب ہے
کس جنتی کی مشک سے کوثر کی زیب ہے
لشکر ہے اس کی زیب، وہ لشکر کی زیب ہے
چہرے کی فرد، مالک و دختر کی زیب ہے
رفعت علَم کی کہتی ہے ہر عقل مند سے
شُقّے پہ پڑھ درود، صدائے بلند سے

درگاہ کس جناب کی عالم پناہ ہے
کس کے علم کے سائے میں طوبا کی راہ ہے
فوجِ خدا گواہ، خدا بھی گواہ ہے
عبّاسؑ، شیرِ بیشۂ شیرِ الٰہ ہے
تصویر ہے یہ فاتحِ بدر و حنینؑ کی
شمشیر ہے خدا کی، سپر ہے حسینؑ کی

فولاد کی ضریح میں کس کا مزار ہے
نم گیرہ جس کا، رحمتِ پروردگار ہے
باہم ضریح و قبر سے نور آشکار ہے
اس کی بہار وہ ہے، یہ اُس کی بہار ہے
قبر و ضریح پہ ہے نمود آب و تاب کی
وہ آفتاب ہے، یہ کرن آفتاب کی

تُربت بھی اور ضریح بھی ہے نور سے بھری
صاحب ضریح ماہِ بنی ہاشمی، جری
تُربت پہ ہے ضریح کی یوں جلوہ گستری
اُترا ہے برجِ سنبلہ بہرِ مجاوری
کیا قبر نے ضریح کے رتبے بڑھائے ہیں
حور و ملک نے دیدۂ حق بیں بچھائے ہیں

روضے کا فرش، قدسیوں کی پاک دامنی　　جھاڑوں سے دونوں وقت ہے دنیا میں روشنی
کیا جانے واں کی خاک ہے کس نور سے بنی　　ہنگامِ صبح دھوپ، سرِ شام چاندنی
آتی ہے یہ ندا جو درِ روضہ وا کرو
مشکل کشا! محبوں کی حاجت روا کرو

اے میں فدا، یہ شاہِ شہیداں کا بھائی ہے　　مشکل کشائی آپ نے بابا سے پائی ہے
بے ہاتھ ہیں، یہ الفتِ حق ہاتھ آئی ہے　　سیفِ خدا کے قبضے میں ساری خدائی ہے
سقا بنا یہ پیاسوں کا، ایسا دلیر ہے
دریائے آبرو کی ترائی کا شیر ہے

ہونے کو تو جہان میں کیا کیا نہیں ہوا　　پر، حضرتِ حسین سا آقا نہیں ہوا
عباس سا حسین کا شیدا نہیں ہوا　　سقا شہید نہر پہ پیاسا نہیں ہوا
یہ آب و گل میں حبِّ شہِ نیک خو ملی
جتنی تھی پیاس، اس سے سوا آبرو ملی

ہاں روئیں مومنین، کہ شبیر روتے ہیں　　نامی جواں تو گنجِ شہیداں میں سوتے ہیں
بچے تمام پیاس سے جان اپنی کھوتے ہیں　　اولاب جدا حسین سے عباس ہوتے ہیں
خالی رفیق و یار سے ہے پہلوئے حسین
کس وقت توڑتی ہے اجل بازوئے حسین

تصویرِ خاصِ حیدرِ کرار مٹتی ہے　　تفسیرِ نورِ خالقِ غفار مٹتی ہے
لشکر کے بعد شکلِ علم دار مٹتی ہے　　شیعوں کے بادشاہ کی سرکار مٹتی ہے
افسوس جس کی مادرِ بیوہ وطن میں ہے
باری اب اس جوان کے مرنے کی رن میں ہے

تمہید شہ سے بہرِ اجازت اٹھائی ہے
جوڑے ہیں ہاتھ پانو پہ گردن جھکائی ہے
یوں حرف زن وہ فدیۂ حق کا فدائی ہے
سب مر چکے، غلام کی باری اب آئی ہے

کوثر دیا شہیدوں کو، مولا! ہمیں بھی دو
اک قبر کی جگہ لبِ دریا ہمیں بھی دو

سوکھے ہیں ساتویں سے لبِ شاہِ بحر و بر
ہوتا ہے خون خشک مراد دیکھ کر
آنکھیں ملا کے کہتے ہیں خادم سے بد گہر
سقائے اہلِ بیت ہو تو، آؤ نہر پر

تم بھی فقط زبان سے قربان جاتے ہو
پانی نہیں امام کو اپنے پلاتے ہو

دیکھی ہیں جاں نثار نے آنکھیں حضور کی
چشمک زنی اٹھے گی نہ اہلِ غرور کی
حالت ہے اب تباہ دلِ ناصبور کی
آیزدہ جو رضا ہو امامِ غیور کی

گو بے کفن ہے بھائی ہر اک اِس غلام کا
پر مجھ کو غم ہے خشکیِ حلقِ امام کا

رو کر کہا حسین نے دریا پہ جاؤ گے
عباس! پانی لاؤ گے، ہم کو پلاؤ گے!
واللہ، بھائی! داغِ جوانی دکھاؤ گے
ہم آئے تھے فرات سے، پر تم نہ آؤ گے

سمجھو تو، خیمہ کیوں لبِ دریا سے اٹھ گیا
پانی مرے نصیب کا دنیا سے اٹھ گیا

خیمے کے ایک گوشے میں یہ حشر تھا بپا
اور سن رہی تھی چپکی سکینہ یہ ماجرا
مولا جو چپ ہوئے، تو پکاری وہ مہ لقا
اے لوگو! یاں تو آؤ کہ یہ گفتگو ہے کیا

دریا کے آنے جانے کے کچھ ذکر ہوتے ہیں
اے لو چچا بھی روتے ہیں، بابا بھی روتے ہیں

شہ سے کہا، چچا کو نہ آنسو بہانے دو   اچھا تو کہتے ہیں، انھیں دریا پہ جانے دو
پانی حضور کے لیے لاتے ہیں، لانے دو   غصّے کی آنکھ اہلِ ستم کو دکھانے دو
پانی جو آپ کے لیے عباسؑ لائیں گے
صدقہ تمھارا، ہم بھی کوئی گھونٹ پائیں گے

میں بیچ میں پڑوں، جو یہ ضامن کسی کو دیں   ضامن جو دیں تو روحِ جنابِ علیؑ کو دیں
ایسا نہ ہو کہ رنج یہ میری بھتیجی کو دیں   عباسؑ بولے، آپ تسلی یہ جی کو دیں
مولا بھی ہیں حسینؑ مرے اور امام بھی
آقا کو بھول جاتا ہے کوئی غلام بھی

لے لو قسم، فرات سے آگے نہ جائیں گے   اور جائیں گے تو کیا شہِ دیں لے نہ آئیں گے
دل میں کہا امام نے، ہاں لاش لائیں گے   پر کیوں کر ایسے شیر کا مُردہ اُٹھائیں گے
حضرت نے اس خیال میں دریا بہا دیا
عباسؑ کو سکینہؑ نے مشکیزہ لا دیا

رو کر پکارے عترتِ اطہار، الوداع!   عباسؑ الوداع! علمدار، الوداع!
اے زیبِ پہلوئے شہِ ابرار، الوداع!   اے یادگارِ حیدرِ کرّار، الوداع!
جعفرؑ کی روح آپ کے لاشے پہ روئے گی
ہے ہے اب اس علم کی زیارت نہ ہوئے گی

عباسؑ جب کہ جانبِ باغِ جناں چلے   شانے پہ لاکھ شان سے لے کر نشاں چلے
زوجہ نے پوچھا، اے مرے والی کہاں چلے   بولے، جہاں سے اب نہ پھریں گے وہاں چلے
اب آخری وداع کی باری نہ آئے گی
آئی ہے سب کی لاش، ہماری نہ آئے گی

عباس سے سُنا جو یہ اُس تشنہ کام نے دُنیا سیاہ ہو گئی آنکھوں کے سامنے
اِک آہ کی کمر کو پکڑ کر اِمام نے پردہ اٹھایا بازوے شاہِ انام نے
جُھک کر ہلال، برجِ فلک سے نکل گیا
نورِ نگاہ تھا کہ پلک سے نکل گیا

پاسِ ادب سے مجرے کو سب دور دور آئے عفوِ قصور کے لیے کبر و غرور آئے
غُل پڑ گیا، جلو کے لیے فوجِ نور آئے ہاں لاؤ مرکب، دو رکاب، حضور آئے
آیا سجا سجایا تگاور جناب کا
پاکھر کرن کے تاروں کی، زین آفتاب کا

انگلی سے لکھ کے گردنِ توسن پہ یا علی اک جست میں سوار ہوا حق کا وہ ولی
فی الفور نُور و نور کے معنی ہوئے جلی بجلی، جلا نا بھول کے بخود رشک سے جلی
ٹھنڈی ہوئی ہوا، جو یہ گرمِ عناں ہوا
صَرصَر کی سانس رک گئی جب یہ رواں ہوا

خیبر شکن کے لال کی آمد ہے صف شکن گرتی ہے فوج فوج پہ، پڑتا ہے رن پہ رن
تیغِ خدا کی تیغ کا سایہ، ہے تیغ زن غلطاں کہیں قدم ہے، کہیں سر، کہیں بدن
نے حوصلہ، نہ بغضِ اِمامِ مبیں رہا
اب دل میں بھاگنے کے سوا کچھ نہیں رہا

اب فرقِ روز و شب سپہِ شام کو نہیں گردش کا ہوش گردشِ ایام کو نہیں
برِش کی آرزو کسی صمصام کو نہیں سوفار کے لبوں پہ ہنسی نام کو نہیں
تیروں سے بے گریز نہ کچھ رن میں بن پڑی
ترکش میں آستین کی صورت شکن پڑی

بڑھ کر کہا عمر نے، وحیدِ زماں یہ ہے   ہم نامِ ذوالجلال کا نام و نشاں یہ ہے
ہاں لشکرِ خدا کا نمودی جواں یہ ہے   جعفر شکوہ، حمزۂ صاحب قراں یہ ہے
سیفِ خدا خطاب ہے، عبّاس نام ہے
یہ بازوئے حسینِ علیہ السلام ہے

عباس بولے، مدح کے قابل امام ہیں   بھائی بھی اُن کے بس حسنِ سبز فام ہیں
باقی جو اور بھائی ہیں وہ سب غلام ہیں   وہ رہ نما، وہ قبلۂ ہر خاص و عام ہیں
گم راہ ہے تو، دُور ہو، جا اپنی راہ لے
ورنہ یہ ہے نبی کا علم، آ، پناہ لے

یہ رتبہ زر کے زور سے حاشا نہ ہوئے گا   ادنا، ہوا و حرص سے، اعلا نہ ہوئے گا
فرعون جا کے طور پہ، موسیٰ نہ ہوئے گا   حکمت سے اپنی کوئی مسیحا نہ ہوئے گا
کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود میں
آیا نہ آیہ مثلِ علی مدحِ جود میں

ہر سبز پوش، خضر نہیں عزّ و جاہ میں   سرسبز حیدری ہیں جنابِ الٰہ میں
یوسف نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ میں   دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ میں
کوئی یتیم، فاطمہ سا خوش گہر نہیں
ہر اک یتیم، دُرِّ یتیم، اے عمر نہیں

چاہے زرہ بنا کے جو داؤد کا وقار   واللہ جعل ساز ہے، کیا اُس کا اعتبار
ہر بخیہ گر، نہ ہو کبھی ادریس نام دار   ہر ناخدا کو نوح کہے گا نہ ہوشیار
کیا جاہلوں کے عیش کا سامان ہو گیا
بیٹھا جو تخت پر، وہ سلیمان ہو گیا

کفّار نے جو سجدے کیے، بُت، خدا ہوا؟ — نمرود نے کیا تھا جو دعوا، وہ کیا ہوا
باطل نہ اس سے حقِّ امامِ ہُدا ہوا — یوں ہی یزید بھی جو خلیفہ ہوا، ہوا
جس طرح سے خدا کوئی غیر از خدا نہیں
یوں ہی بہ جز حسین، امامِ ہدا نہیں

دے پانی، لے بہشت، نہ جا نار میں، نہ جا — اب بھی سمجھ خدا کے لیے، آ جہاں میں آ
تیری بھلائی کے لیے کہتے ہیں، اور کیا — بیعت ہے ابنِ فاطمہ کی، بیعتِ خدا
سب خاک ہے، نہ زر نہ پسر کام آئیں گے
تربت میں بوتراب ہی آ کر بچائیں گے

لو، ہم سے لینے آئے ہیں یہ بیعتِ امام! — بولا وہ منہ پھرا کے، سنو اے گروہِ شام!
دُنیا مجھے پسند ہے، اِسلام کو سلام — میں حُر نہیں کہ مان لوں، حاکم کا ہوں غلام
بیعت یزید کی تو نہ شاہِ اُمم کریں
قدرت خدا کی، بیعتِ شبّیر ہم کریں!

دیکھا لرز کے تیغ کو قہر و جلال سے — یاں کان آشنا نہ تھے کب اِس بول چال سے
بادل اُٹھے نشانوں کے دشتِ قتال سے — بھاگا چھپا کے روئے سیہ کو وہ ڈھال سے
تیغیں آئی ہوئی جو یکایک نکل پڑیں
بازو کی مچھلیاں، سرِ بازو اُچھل پڑیں

شیرو، دلیرو، غازیو! تازی کی لو عناں — کر گبت پینتروں کو بدل کر بڑھے کہ ہاں
سنبھلے ہوئے کہ سامنے ہے ہاشمی جواں — مرتے ہیں مرد نام پہ، نامرد بہرِ ناں
لینا نہ منہ پہ ڈھال کہ ہستی حباب ہے
دینا نہ آبرو کہ یہ موتی کی آب ہے

بولی یہاں رضائے خداوندِ ذوالجلال　　بسم اللہ اے جنابِ امیرِ عرب کے لال
عدلِ خدا پکارا کہ خونِ عدو حلال　　پنجہ بڑھایا مہرِ علی نے سوئے ہلال
قبضہ وفورِ شوق سے دو ہاتھ اچھل پڑا
قالب سے ماہِ نو کے مہِ نو نکل پڑا

نکلی غلافِ نور سے تفسیرِ جوہری　　یا آ کے دستبوسِ سلیماں ہوئی پری
یا حجلے سے عروس نے کی جلوہ گستری　　یا تھی یہ شاخِ میوۂ طوبا ہری بھری
اُس ہاتھ سے، مرادیں تھیں جو جو، وہ مل گئیں
باچھیں خوشی سے تیغ کے قبضے کی کھل گئیں

شاخِ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا　　پیروں کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی، اجل جدا　　مریخ الگ زمیں پہ گرا، اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جاں نہیں
لو، تیغِ برق دم کا قدم درمیاں نہیں

سیدھی ہوئی جو تیغ تو لشکر اُلٹ گیا　　میداں سے پانو، جینے سے دل سب کا ہٹ گیا
سب رو رہے تھے زور کو، واں سن بھی گھٹ گیا　　کشتوں کے پشتے لگ گئے، میدان پٹ گیا
بولی یہ تیغ، دم سرِ اعدا پہ لوں گی میں
برش پکاری، توبہ، ٹھہرنے نہ دوں گی میں

پڑھتی ہوئی زبان سے یہ لافتا چلی　　روشن نگاہ کہنے کو، آگے قضا چلی
بائیں کو قہر، داہنی جانب بلا چلی　　گُل عمر کے چراغ ہوتے، وہ ہوا چلی
دل کے کنول جو بجھ گئے، اندھیر ہو گیا
جینے سے اہلِ نار کا دل سیر ہو گیا

پھل ہوزن میں تھا پھول، تجلّی میں نخلِ طور — حدّت میں محض نار، لطافت میں صاف نور
آسیب سایہ، چال بدی، قبضہ چشمِ حور — خود لہر، آب زہر، تڑپ قہر، شور صور
یوں دفعتہً زمیں سے گئی آسمان پر
جس طرح غصّہ آئے کسی ناتوان پر

تیغیں بڑھیں تو اور گھٹی شانِ اشقیا — دستِ سوال جیسے سب اعضا میں بد نما
الزام، برقِ تیغ نے سب تیغوں کو دیا — گرمی سے اس کی سرد تھے اعدا کے دست و پا
جوہر کے خرمنوں پہ جو مثلِ شرر گری
ہر تیغ پھل جھڑی کی طرح چھوٹ کر گری

پھر تو پکار تھی یہ اِدھر، وہ اُدھر گرا — وہ پنجہ، وہ ہاتھ، وہ خود اور وہ سر گرا
بن بن کے برق، سایۂ تیغِ ظفر گرا — واں مورچے سے باپ اٹھا، یاں پسر گرا
گر گر کے سر، یہ رن میں برابر نہاں ہوئے
جو رن میں، سر زمین کے معنی عیاں ہوئے

مشکل ہے ابتدا بہ سکوں، سب کو ہے خبر — کُلیّتہً یہ حُسام نے باطل کیا مگر
ساکن بنائے زخم کے جزموں سے سینِ سر — سب وقف پیشِ تیغ تھے، کیا زیر کیا زبر
آخر کی صف میں کچھ حرکت آشکار تھی
پر بسملوں کی طرح وہ بے اختیار تھی

آندھی تھی گرد، گھوڑے نے وہ خاک اڑائی تھی — دریائے تیغ نے نئی گرمی دکھائی تھی
صرصر نے آگ پانی کے اندر لگائی تھی — نعلوں کی بجلیوں سے ہر اک صف جلائی تھی
چل پھر سے اُس کی، تیغ کی جنبش زیادہ تھی
کشتیِ تیغ کے لیے بادِ مُراد تھی

چہروں پہ مُردنی کی طرح تیغ چھا گئی
ہر استخواں میں مثلِ تپِ دق سما گئی
اعجازِ خاک ساریِ حیدر دکھا گئی
مانندِ خاک، ناریوں کے تن کو کھا گئی
سب کے گلوں سے ملتی تھی، لیکن رکی ہوئی
جوہر یہ تھے کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی

آتے تھے جوڑ توڑ غضب تیغِ تیز کو
سر سے ملی، جُدا کیا پائے گریز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اُس شعلہ ریز کو
برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
بُو گل نے، رنگ لالہ نے، سرعت ہوا نے دی
یہ ہدیہ کیا ہے، اپنی نیابت قضا نے دی

ڈوبی سپر میں گر کے نئی چال ڈھال سے
پاکھر کے بیچ میں سر بڑی سیدھی چال سے
اُٹھ کر زرہ میں آئی شکوہ و جلال سے
اک جال میں تڑپ کے گئی ایک جال سے
گزری جو چار آئنے سے مُنہ کو موڑ کے
غُل تھا، پری نکل گئی شیشے کو توڑ کے

قربان فیضِ بازوئے شاہِ جلیل پر
ترجیح دستِ جود کو تھی سلسبیل پر
یوں فوج کا ہجوم تھا تیغِ اصیل پر
گرمی سے جیسے پیاسوں کا مجمع سبیل پر
جوہر یہ اپنے تیغِ رواں نے دکھا دیے
پانی کے بدلے، پیاس کے تیور بُجھا دیے

قربانِ برقِ بارقۂ تیغ شعلہ تاب
موتی کی آب و تاب، سمندر کا پیچ و تاب
خود نوح و خود سفینہ و خود ملاح و خود آب
سرگوشیاں فرات میں کرنے لگے حباب
ظرفِ تنک میں تھی نہ جگہ اُس کے آب کی
بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

کاٹا پلک میں آنکھ کو، پتلی میں نور کو پاؤں میں کج روی کو، سروں میں غرور کو
سینے میں بغض و کینہ کو، دل میں فتور کو نیّت میں معصیت کو، طبیعت میں زور کو
ذلت اک طرف، مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زباں، زبان پہ کاٹ آئی بات کو

رو کی جو ڈھال اور بھی اندھیر چھا گیا روزِ سیاہ شامیوں کے منہ پہ آ گیا
آخر بغیر بھاگے نہ ہرگز رہا گیا اور نہرِ علقمہ میں وہ بحر سما گیا
دُرہائے آبرو سے جو دریا کو بھر دیا
دُرِّ نجف نے بحر کو بحرین کر دیا

چلّو بھرا فرات سے، سرکا کے آستیں عبرت سے دیر تک اُسے دیکھا کیے وہیں
پھر لائے امتحاں کے لیے ہونٹھوں کے قریں سینے میں دل تڑپ کے پکارا، نہیں نہیں
گو مہرِ فاطمہ ہے، پہ مجھ پر حرام ہے
وارث جو فاطمہ کا ہے، وہ تشنہ کام ہے

غازی نے دل کے مشورے پر مرحبا کہا دریا سے رو کے پیاسوں کا سب ماجرا کہا
کاندھے پہ مشک بھر کے رکھی، یا خُدا کہا چلتے ہوئے، اجل نے پیامِ قضا کہا
ہے ہے، نصیب پیاسوں کا رستے میں پھر گیا
سقّا حرم کا، فوج کے طوفاں میں گھر گیا

بانو پکاری، ضامنِ عبّاس کو بلاؤ لوگو! کہو سکینہ سے، لاؤ چچا کو لاؤ
انگلی پکڑ کے فِضّہ کی سوئے فرات جاؤ حضرت تڑپ رہے ہیں، علم دار سے ملاؤ
بھیجا تھا کیوں، جو اُن کو نہیں اب بلاتی ہو
عاشق ہو کیسی، باپ کو اپنے رُلاتی ہو

سہمی ہوئی سکینہ قریب آئی ننگے پا ننھے سے ہاتھ جوڑ کے حضرت سے یہ کہا
میں جاؤں بابا جان، نہ آئیں اگر چچا ضامن دیا ہے، وہ مجھے جھوٹا کریں گے کیا
ایسے تو وہ نہیں ہیں کہ وعدہ بھلائیں گے
فرما گئے ہیں، نہر سے آگے نہ جائیں گے

شہ روکے بولے، ٹوٹ پڑا ہم پہ آسماں سچے ہیں بھائی، ٹھیک تمھارا ابھی ہے بیاں
اچھا نہ آگے جاتے گا حیدر کا وہ نشاں کیا نہر پر اجل نہیں آسکتی میری جاں
دریا پہ کون روکنے والا قضا کا ہے
دو لاکھ سے مقابلہ تیرے چچا کا ہے

یہ ذکر تھا کہ نہر سے ماتم کا غل اٹھا نوحہ یہ تھا کہ وا ولدا! وا مصیبتا!
اکبر لپٹ کے رونے لگے شہ سے، اور کہا دادا کی روح روتی ہے، مارے گئے چچا
ان کی عزا کا آپ بھی سامان کیجیے
شہ بولے، میرا چاک گریبان کیجیے

ناگہ ندا یہ آئی، میں قربان یا حسین! آقا حسین، قبلۂ ارض و سما حسین!
اے میرے وقتِ نزع کے حاجت روا حسین! اے جاں بہ لب غلاموں کے مشکل کشا حسین!
ہچکی لگی ہے، دم کو قرار ایک دم نہیں
بالیں پہ میری آکے تمھارے قدم نہیں

شہ نے کمر پکڑ کے کہا، ہائے بھائی جان جانا نہ بے ملے ہوئے، ہم آگئے بھائی جان
اللہ تم تلک ہمیں پہنچائے بھائی جان دھڑکا یہ ہے، نہ غش کہیں آجائے بھائی جان
گو نورِ چشم، تھامے ہوئے ہاتھ میرا ہے
اس پر بھی دونوں آنکھوں کے آگے اندھیرا ہے

اکبر کو ساتھ لے کے چلے شاہِ کربلا یاں قبۂ خیام گرے ہل کے جا بہ جا
دوڑی سکینہ ڈیوڑھی سے اور رو کے دی صدا ہے ہے، ستم ہوا، ارے لوگو غضب ہوا

بابا سوئے فرات ابھی ننگے سر گئے
لو صاحبو! ہمارے چچا جان مر گئے

واں شہ کو خیر ہے گوہرِ مدعا ملا پر، لال خون میں وہ دُرِ بے بہا ملا
مچھلی کی طرح شیر تڑپتا ہوا ملا آنکھیں عطش سے بند ملیں، منہ کھلا ملا

دیکھا کہ روحِ پاک سوئے حق رجوع ہے
رکتی ہے سانس، موت کی ہچکی شروع ہے

یہ دیکھتے ہی آگے بڑھے اکبرِ جواں دیکھا کہ دھار خون کی سینے سے ہے رواں
حضرت نے پوچھا کیا ہے، کہا کیا کروں بیاں غلطاں لہو میں ہے اسد اللہ کا نشاں

نوکِ سناں چچا کے جگر میں در آئی ہے
ظالم نے تین بھال کی برچھی لگائی ہے

لاشے پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ نامدار جھک کر کہا یہ کان میں ہو ہو کے بے قرار
ہمدم، رفیق، دوست، وفادار، جاں نثار بازو، جگر، ضیائے بصر، رونقِ کنار

ہر زخم پر حسین فدا ہو، نثار ہو
آنکھوں کو کھولو، بات کرو، ہوشیار ہو

سننا تھا یہ کہ ہونٹھ علم دار نے ہلائے شہ نے جو کان لب پہ دھرے، تو سنا یہ ہائے
چپکے سے کہہ رہے ہیں، میں صدقے حضور آئے بچپن سے ناز آپ نے کیا کیا مرے اٹھائے

اپنا غلام کہہ کے پکارو تو بولیں ہم
آئی نہ ہو سکینہ، تو آنکھوں کو کھولیں ہم

یہ کہہ کے، بے کسوں کے مدد گار مر گئے — حمزہ سدھارے، جعفرِ طیار مر گئے
جبریل بولے، حیدرِ کرّار مر گئے — اب مصطفےٰ کے سارے علم دار مر گئے
مولا، جدا نہ بھائی کے لاشے سے ہوتے تھے
شانوں کا خون چہرے پہ مَل مَل کے روتے تھے
مَل کر لہو جبیں پہ امامِ اُمم چلے — لاشے سے مڑ کے بولے کہ لو بھائی، ہم چلے
اکبر اٹھا کے کاندھے پہ مشک و علم چلے — دو حشر سوئے خیمۂ اہلِ حرم چلے
سقّے کو اپنے کھو کے جو گھر میں پھرے حسینؑ
بس ہائے بھائی کہہ کے، زمیں پر گرے حسینؑ

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے   رستم کا جگر زیرِ کفن کانپ رہا ہے
ہر قصرِ سلاطینِ زمن کانپ رہا ہے   سب ایک طرف، چرخِ کہن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

ہیبت سے ہیں نُہ قلعۂ افلاک کے دربند   جلّادِ فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
واہے کمرِ چرخ سے جوزا کا کمر بند   سیّارے ہیں غلطاں صفتِ طائرِ پربند
انگشتِ عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجے سے عَلَم چھوٹ پڑا ہے

خود فتنۂ محشر پڑھ رہے ہیں فاتحۂ خیر   کہتے ہیں انا العبد لرز کر صنم و دیر
جاں غیر ہے، تن غیر، مکیں غیر، مکاں غیر   نے چرخ کا ہے دَور، نہ سیّاروں کی ہے سیر
سکتے میں فلک خوف سے مانندِ زمیں ہے
جز بختِ یزید، اب کوئی گردش میں نہیں ہے

بے ہوش ہے بجلی، پہ سمند اُن کا ہے ہشیار   خوابیدہ ہیں سب، طالعِ عبّاس ہے بیدار
پوشیدہ ہے خورشید، علَم اُن کا نمودار   بے نور ہے مُنہ چاند کا، رُخ اُن کا ضیا بار
سب جُزو ہیں، کُل رتبے میں کہلاتے ہیں عبّاس
کونین پیادہ ہیں، سوار آتے ہیں عبّاس

چمکا کے مہ و خور، زر و نقرہ کے عصا کو سرکاتے ہیں پیرِ فلک پُشت دوتا کو
عدل آگے بڑھا، حکم یہ دیتا ہے قضا کو ہاں باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سر کاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

راحت کے محلّوں کو بلا پوچھ رہی ہے ہستی کے مکانوں کو فنا پوچھ رہی ہے
تقدیر سے عُمر اپنی قضا پوچھ رہی ہے دوزخ کا پتا فوجِ جفا پوچھ رہی ہے
غفلت کا تو دل چونک پڑا خوف سے ہل کر
فتنے نے کیا خواب، گلے کُفر سے مل کر

روکش ہے اِس اک تن کا نہ بہمن، نہ تہمتن سہراب و نریمان و پشن، بے سر و بے تن
قاروں کی طرح تحتِ زمیں غرق ہے قارن ہر عاشقِ دُنیا کو ہے دُنیا، چہِ بیژن
سب بھول گئے اپنا حسب اور نسب آج
آتا ہے جگر گوشۂ قتالِ عرب آج

ہے شور فلک کا کہ یہ خورشیدِ عرب ہے انصاف یہ کہتا ہے کہ چُپ، ترکِ ادب ہے
خورشیدِ فلک، پَرتوِ عارض کا لقب ہے یہ قدرتِ رب، قدرتِ رب، قدرتِ رب ہے
ہر ایک کب اس کے شرف و جاہ کو سمجھے
اس بندے کو وہ سمجھے، جو اللہ کو سمجھے

یوسف ہے یہ کنعاں میں، سلیماں ہے سبا میں عیسیٰ ہے مسیحائی میں، موسیٰ ہے دُعا میں
ایوب ہے یہ صبر میں، یحییٰ ہے بکا میں شبّیر ہے مظلومی میں، حیدر ہے وغا میں
کیا غم جو نہ مادر نہ پدر رکھتے ہیں آدم
عبّاس سا دُنیا میں پسر رکھتے ہیں آدم

قربان ہوائے عَلَمِ شاہِ اُمم کے
سب خبارِ ہرے ہو کے، بنے سَروِ اِرم کے
ہیں رازِ عیاں خالقِ ذوالفضل و کرم کے
جبریل نے پر کھولے ہیں دامن میں علم کے
ہمدم کا جہاں عکس گرا، صاعقہ چمکا
ہمدم کہیں دیکھا نہ سُنا اِس پَچَم و خم کا

قرنا میں نہ دم ہے، نہ جلاجل میں صدا ہے
بوق و دہل و کوس کی بھی سانس ہوا ہے
ہر دل کے دھڑکنے کا مگر شور بپا ہے
باجا جو سلامی کا اسے کہیے، بجا ہے
سکتے میں جو آواز ہے نقّارہ و دف کی
نوبت ہے ورودِ خلفِ شاہِ نجف کی

مدّاح کو اب تازگیٔ نظم میں کد ہے
یا حضرتِ عبّاسِ علی! وقتِ مدد ہے
مولا کی مدد سے جو سخن ہو، وہ سند ہے
اِس نظم کا جو ہو نہ مقِر، اس کو حَسد ہے
حاسد سے صلہ بھی نہیں درکار ہے مجھ کو
سرکارِ حُسینی سے سروکار ہے مجھ کو

گُل زار ہے یہ نظم و بیاں، بیشہ نہیں ہے
باغی کو بھی گلگشت میں اندیشہ نہیں ہے
ہر مصرعِ برجستہ ہے پھل، تیشہ نہیں ہے
یاں مغزِ سخن کا ہے، رگ و ریشہ نہیں ہے
صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
مانندِ قلم ہاتھ میں ہے نبض سخن کی

گر کاہ ملے، فائدہ کیا کوہ کنی سے
میں کاہ کو گُل کرتا ہوں رنگیں سخنی سے
خوش رنگ ہیں الفاظ، عقیقِ یمنی سے
یہ ساز ہے، سوزِ غمِ شاہِ مدنی سے
آہن کو کروں نرم تو آئینہ بنالوں
پتّھر کو کروں گرم تو میں عطر نکالوں

گو خلعتِ تحسیں مجھے حاصل ہے سراپا — پر وصف سراپا کا تو مشکل ہے، سراپا
ہر عضوِ تن اِک قدرتِ کامل ہے سراپا — یہ روح ہے، سر تا بہ قدم دل ہے سراپا
کیا ملتا ہے گر کوئی جھگڑتا ہے کسی سے
مضموں بھی اپنا نہیں لڑتا ہے کسی سے

سورج کو چھپاتا ہے گہن، آئنے کو زنگ — داغی ہے قمر، سوختہ دل لالۂ خوش رنگ
کیا اصل دُر و لعل کی، وہ پانی ہے، یہ سنگ — دیکھو گل و غنچہ، وہ پریشاں ہے، یہ دل تنگ
اِس چہرے کو داور ہی نے لاریب بنایا
بے عیب تھا خود، نقش بھی بے عیب بنایا

انساں کہے اس چہرے کو کب چشمۂ حیواں — یہ نور وہ ظلمت، یہ نمودار وہ پنہاں
برسوں سے ہے آزارِ برص میں مہِ تاباں — کب ہے یرقاں مہر کو ہے اور نہیں درماں
آئینہ ہے گھر زنگ کا، یہ رنگ نہیں ہے
اس آئینے میں رنگ ہے اور زنگ نہیں ہے

آئینہ کہا رُخ کو تو کچھ بھی نہ ثنا کی — صنعت وہ سکندر کی، یہ صنعت ہے خدا کی
واں خاک نے صیقل، یہاں قدرت نے جِلا کی — طالع نے کس آئینے کو خوبی یہ عطا کی
ہر آئینے میں چہرۂ انساں نظر آیا
اس رخ میں جمالِ شہِ مرداں نظر آیا

بے مثل جبیں ہے نگہِ اہلِ یقیں میں — بس ایک یہ خورشید ہے افلاک و زمیں میں
جلوہ ہے عجب ابروؤں کا قربِ جبیں میں — دو مچھلیاں ہیں چشمۂ خورشیدِ مبیں میں
مردم کو اشارہ ہے یہ ابرو کا، جبیں پر
ہیں دو مہِ نو جلوہ نما چرخِ بریں پر

بینی کے تو مضموں پہ یہ دعوا ہے یقینی — اس نظم کے چہرے کی دم ہو جائے گا بینی
منظور نگہ کو جو ہوئی عرش نشینی — کی سایۂ بینی نے فقط جلوہ گزینی
درکار اسی بینی کی محبت کا عصا ہے
یہ راہ تو ایماں سے بھی باریک سوا ہے

بینی کو کہوں شمع تو لَو اس کی کہاں ہے — پُر نور بھووں پر مجھے شعلے کا گماں ہے
دو شعلے اور اک شمع، یہ حیرت کا مکاں ہے — ہاں زلفوں کے کوچوں سے ہُو اٹھ کے دھواں ہے
سمجھو نہ بھویں، بس کہ ہوا کا جو گزر ہے
یہ شمع کی لَو، گاہ اِدھر گاہ اُدھر ہے

گر آنکھ کو نرگس کہوں، ہے عین حقارت — نرگس میں نہ پلکیں ہیں نہ پتلی، نہ بصارت
چہرے پہ مہِ عید کی بے جا ہے اشارت — وہ عید کا مژدہ ہے، یہ حیدر کی بشارت
ابرو کے مہِ نو میں نہ جنبش ہے، نہ ضو ہے
اک شب وہ مہِ نو ہے، یہ ہر شب مہِ نو ہے

منہ غرقِ عرق دیکھ کے، خورشید ہوا تر — ابرو سے ٹپکتا ہے نرا تیغ کا جوہر
آنکھوں کا عرق، روغنِ بادام سے بہتر — عارض کا پسینا ہے، گلابِ گلِ احمر
قطرہ رُخِ پُر نور پہ ڈھلتے ہوئے دیکھو
عطرِ گلِ خورشید نکلتے ہوئے دیکھو

تسبیح کناں منہ میں زباں آٹھ پہر ہے — گویا دہنِ غنچہ میں برگِ گلِ تر ہے
لب غنچہ و گل برگ میں یہ نور مگر ہے — یہ برج میں خورشید کے، ماہی کا گزر ہے
تعریف میں ہونٹھوں کی جو لب تر ہوا میرا
دنیا ہی میں قابو لبِ کوثر ہوا میرا

یہ منہ جو ردیفِ لبِ خوش رنگ ہوا ہے   کیا قافیہ غنچے کا یہاں تنگ ہوا ہے
اب مدحِ دہن کا مجھے آہنگ ہوا ہے   پر غنچے کا نام اس کے لیے ننگ ہوا ہے

غنچہ کہا اس منہ کو، حذر اہلِ سخن سے
سونگھے کوئی، بو آتی ہے غنچے کے دہن سے

جانِ فصحا، روحِ فصاحت ہے تو یہ ہے   ہر کلمہ ہے موقع پہ، بلاغت ہے تو یہ ہے
اعجازِ مسیحا کی کرامت ہے تو یہ ہے   قائل ہے نزاکت کہ نزاکت ہے تو یہ ہے

یوں ہونٹھوں پہ تصویرِ سخن دقتِ بیاں ہے
یاقوت سے گویا رگِ یاقوت عیاں ہے

دانتوں کی لڑی ہے، یہ لڑی عقلِ خداداد   وہ بات ٹھکانے کی کہوں اب کہ رہے یاد
یہ گوہرِ عباس ہیں، پاک ان کی ہے بنیاد   عباس و نجف ایک ہیں، گنیے اگر اعداد

معدن کے شرف ہیں، یہ جواہر کے شرف ہیں
دنداں درِ عباس ہیں، تو درِ نجف ہیں

اثنا عشری اب کریں ہاتھوں کا نظارا   دس انگلیاں ہیں مثلِ علم ان میں صف آرا
ہر پنجے کا ہے پنج تنی کو یہ اشارا   اے مومنو! عشرے میں علم رکھنا ہمارا

پہلے مرے آقا، مرے سالار کو رونا
پھر زیرِ علم اُن کے علم دار کو رونا

تا موئے کمر فکر کا رشتا نہیں جاتا   فکر ایک طرف، وہم بھی جاتا نہیں جاتا
بر فکرِ رسا کا مری دعوا نہیں جاتا   مضمون یہ نازک ہے کہ باندھا نہیں جاتا

اب زیبِ کمر تیغِ شرر بار جو کی ہے
عباس نے شعلے کو گرہ بال سے دی ہے

مشتاق ہوں اب عالمِ بالا کی مدد کا ۔۔۔ درپیش ہے مضمون علم دار کے قد کا
یہ ہے قدِ بالا پسرِ شیرِ صمد کا ۔۔۔ یا سایہ مجسم ہوا اللہ احد کا
اس قد پہ دو ابرو کی کشش کیا کوئی جانے
کھینچے ہیں دو مد ایک الف پر یہ خدا نے

نے چرخ کے سو دورے، نہ اک خش کا کاوا ۔۔۔ دیتا ہے سدا عمرِ رواں کو یہ بھلاوا
یہ قسم ہے ترکیبِ عناصر کے علاوا ۔۔۔ اللہ کی قدرت ہے، نہ چھل بل، نہ چھلاوا
چلتا ہے غضب چال، قدم شل ہے قضا کا
توسن نہ کہوں، رنگ اُڑا ہے یہ ہوا کا

گردش میں ہر اک آنکھ ہے فانوسِ خیالی ۔۔۔ بندش میں ہیں نعل اُس کے رباعیِ ہلالی
روشن ہے کہ جوڑا نے عناں دوش پہ ڈالی ۔۔۔ بھرتی سے ہے مضمون رکابوں کا بھی خالی
سُرعت ہے اندھیرے اور اجالے میں غضب کی
اندھیاری اسے چاندنی ہے چودھویں شب کی

ٹھہرے تو فلک سب کو زمیں پر نظر آئے ۔۔۔ دوڑے تو زمیں، چرخِ بریں پر نظر آئے
شہبازِ ہوا کا نہ کہیں پر نظر آتے ۔۔۔ راکب ہی فقط دامنِ زیں پر نظر آئے
اس راکب و مرکب کی برابر جو ثنا کی
یہ علم خدا کا، وہ مشیت ہے خدا کی

شوخی میں پری، حُسن میں ہے حورِ بہشتی ۔۔۔ طوفان میں راکب کے لیے نوح کی کشتی
کب ابلقِ دوراں میں ہے یہ نیک سرشتی ۔۔۔ یہ خیر ہے، وہ شر ہے، یہ خوبی ہے وہ زشتی
صحرا میں چمن، فصلِ بہاری ہے چمن میں
رہوار ہے اصطبل میں، تلوار ہے رن میں

اس خیش کو عباس اڑاتے ہوئے آئے — کوسِ لمن الملک بجاتے ہوئے آئے
تکبیر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے — اک تیغ نگہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے
بے چلّے کے، کھینچے ہوئے ابرو کی کماں کو
بے ہاتھ کے، تانے ہوئے پلکوں کی سناں کو

لکھا ہے مورّخ نے کہ اک گبرِ دلاور — ہفتم سے فردکش تھا میانِ صفِ لشکر
روئیں تن و سنگیں دل و بدباطن و بد بر — سر کر کے بہم نیزوں پہ لایا تھا کئی سر
ہم راہِ شقی فوج تھی، ڈنکا تھا، نشاں تھا
جاگیر کے لینے کو سوئے شام رواں تھا

تقدیر جو رن میں شبِ ہفتم اسے لائی — خلوت میں لے بات عمر نے یہ سنائی
درپیش ہے سادات سے ہم کو بھی لڑائی — واں پنجتنی چند ہیں، یاں ساری خدائی
اکبر کا، نہ قاسم کا، نہ شبّیر کا ڈر ہے
دو لاکھ کو، اللہ کی شمشیر کا ڈر ہے

بولا وہ لرز کر کہ ہوا مجھ کو بھی وسواس — شمشیرِ خدا کون؟ عمر بولا کہ عباس
اس نے کہا، پھر فتح کی کیونکر ہے تجھے آس — بولا کہ کئی روز سے اس شیر کو ہے پیاس
ہم بھی ہیں بہادر، نہیں ڈرتے ہیں کسی سے
پر روح نکلتی ہے تو عباسِ علی سے

تشریف علمدارِ جری رن میں جو لایا — اس گبر کو چپکے سے عمر نے یہ سنایا
اندیشہ تھا جس شیر کے آنے کا، وہ آیا — سر اس نے پرے سے سوئے عباس اٹھایا
دیکھا تو کہا کانپ کے، یہ فوجِ دغا سے
روباہو! لڑاتے ہو مجھے شیرِ خدا سے

مانا کہ خدا یہ نہیں، قدرت ہے خدا کی
مجھ میں ہے نزا زور، یہ قوت ہے خدا کی
کی خوب ضیافت مری، رحمت ہے خدا کی
سب نے کہا تجھ پر بھی عنایت ہے خدا کی
جا عذر نہ کر، نام ہے مردوں کا اسی سے
تو دبدبہ و زور میں کیا کم ہے کسی سے

بادل کی طرح سے وہ گرجتا ہوا نکلا
جلدی میں سلحِ جنگ کے سجتا ہوا نکلا
ہر گام رہِ عُمر کو تجتا ہوا نکلا
اور سامنے نقارہ بھی بجتا ہوا نکلا
غالب تھا تہمتن کی طرح اہلِ جہاں پر
دھنستی تھی زمیں، پانو وہ رکھتا تھا جہاں پر

تیّار کمر کس کے ہوا جنگ پہ خوں خوار
اور پیکِ اجل آیا کہ ہے قبر بھی تیّار
خنجر لیا مُنہ دیکھنے کو اور کبھی تلوار
مثلِ درمِ مرگ، چڑھا گھوڑے پہ اک بار
وہ رخش پہ، یا دیوِ دنی تختِ زری پر
غُل رن میں اُٹھا، کوہ چڑھا کبکِ دری پر

اس ہیئت و ہیبت سے وہ نخوت سیر آیا
آسیب کو بھی سایے سے اس کے حذر آیا
میداں میں قیامت کو بھی محشر نظر آیا
گرد اپنے لیے نیزوں پہ کشتوں کے سر آیا
زندہ ہی پلے سیر نہ ہر صف سے بڑھے تھے
سر مُردوں کے نیزوں پہ تماشے کو چڑھے تھے

سیدھا کبھی نیزے کو ہلایا، کبھی آڑا
پڑھ پڑھ کے رجز، باغِ فصاحت کو اُجاڑا
ظالم نے کئی پشت کے مُردوں کو اکھاڑا
بولا مری ہیبت نے جگر شیروں کا پھاڑا
ہم پنجہ نہ رستم ہے، نہ سہراب ہے میرا
مرحب بنِ عبدالقمر، القاب ہے میرا

فتراک میں سر باندھتا ہوں پیلِ دماں کا　　پنجہ میں سدا پھیرتا ہوں شیرِ ژیاں کا
نظارہ ذرا کیجیے ہر شاخِ سناں کا　　اس نیزے پہ وہ سر ہے فلاں ابنِ فلاں کا
جو جو تھے یلانِ کہن، اس دورۂ نو میں
تن اُن کے تہِ خاک ہیں، سر میرے جلو میں

یاں سیفِ زباں، سیفِ الٰہی نے عَلم کی　　فرمایا، مرے آگے یہ تقریر ستم کی
اب تم سے کہا کچھ تو زباں میں نے قلم کی　　کونین نے گردن مرے دروازے پہ خم کی
طاقت ہے ہماری، اسدُ اللہ کی طاقت
پنجے میں ہمارے ہے یدُ اللہ کی طاقت

عبدُ القمرِ نحس کا تو داغِ جگر ہے　　میں چاند علی کا ہوں، ارے یہ بھی خبر ہے
خورشید پرستی سے تری کیا مجھے ڈر ہے　　قبضے میں طنابِ فلک و شمس و قمر ہے
مقدور رہا شمس کی رجعت کا پدر کو
دو ٹکڑے چچا نے کیا انگلی سے قمر کو

خورشیدِ درخشاں میں بتا نور ہے کس کا　　کلمہ ورقِ ماہ پہ مسطور ہے کس کا
اور سورۂ والشمس میں مذکور ہے کس کا　　ذرے کو کرے مہر، یہ مقدور ہے کس کا
یہ صاحبِ مقدور نبی اور علی ہیں
! ہم کہ غلام خلفُ الصدقِ نبی ہیں

دو، چاند کو کرتی ہے اک انگشت ہماری　　ہے مہرِ نبوت سے ملی پشت ہماری
ہے تیغ ظفر، وقتِ زد و کشت ہماری　　سو گرزِ قضا، ضربتِ یک مشت ہماری
قدرت کے نیستان کے ہم شیر ہیں، ظالم!
ہم شیر ہیں اور صاحبِ شمشیر ہیں، ظالم!

احمد ہے چچا میرا، پدر حیدرِ صفدر　　وہ کُل کا پیمبر ہے، یہ کونین کا رہبر
اور مادرِ زینب کی ہے لونڈی، مری مادر　　بھائی مرا اک عون، دو عبداللہ و جعفر
اور شبّر و شبّیر ہیں سردار ہمارے
ہم اُن کے غلام، اور وہ مختار ہمارے

قاسم کا عزادار ہوں، اکبر کا میں غم خوار　　لشکر کا علم دار ہوں، سرور کا جلو دار
میں کرتا ہوں پردہ، تو حرم ہوتے ہیں اسوار　　تھا شب کو نگہبانِ خیامِ شہِ ابرار
اب تازہ یہ بخشش ہے خدائے ازلی کی
سقا بھی بنا اُس کا جو پوتی ہے علی کی

اُس کے قدمِ پاک کا فدیہ ہے سر اپنا　　قربان کیا جس پہ نبی نے پسر اپنا
نذرِ سرِ اکبر ہے دل اپنا، جگر اپنا　　بیت الشرفِ شاہ پہ صدقے ہے گھر اپنا
مشہور جو عبّاس، زمانے کا شرف ہے
شبّیر کی نعلین اٹھانے کا شرف ہے

ناری کو، بہشتی کے رجز بعد حسد آیا　　یوں جل کے پئے حملہ وہ ملعونِ بد آیا
گویا کہ سقر سے عمرِ عبدِ وَد آیا　　اور لرزے میں مرحب بھی میانِ لحد آیا
نفریں کی خدا نے اُسے، تحسیں کی عمر نے
مجرا کیا عبّاس کو یاں فتح و ظفر نے

شبّیر کو بڑھ بڑھ کے نقیبوں نے پکارا　　لو، ٹوٹتا ہے دستِ زبردست تمہارا
ہے مرحبِ عبد القر اب معرکہ آرا　　شبّیر! یقیں جانو کہ عبّاس کو مارا
یہ گرگ، وہ یوسف، یہ خزاں ہے، وہ چمن ہے
وہ چاند، یہ عقرب ہے، وہ سورج، یہ گہن ہے

اِس شور نے تڑپا دیا حضرت کے جگر کو
اکبر سے کہا جاؤ تو عمّو کی خبر کو
اکبر بڑھے اور مڑ کے پکارے یہ پدر کو
گھیرا ہے کئی نحس ستاروں نے قمر کو
اِک فوج نئی گردِ علمدار ہے رن میں
لو ماہِ بنی ہاشمی آتا ہے گہن میں

اک گبرِ قوی آیا ہے کھینچے ہوئے تلوار
کہتا ہے کہ اِک حملے میں ہے فیصلۂ کار
سرکشتوں کے نیزوں پہ ہیں گرد اس کے نمودار
یاں دست بہ قبضہ متبسم ہیں علمدار
اللہ کرے خیر کہ ہے قصدِ شر اس کو
سب کہتے ہیں، مرحب بنِ عبد القمر اس کو

غل ہے کہ دلِ آلِ عبا توڑے گا مرحب
اب بازوے شاہِ شُہدا توڑے گا مرحب
بندِ کمرِ شیرِ خُدا توڑے گا مرحب
گو ہر کو نہ سنگِ جفا توڑے گا مرحب
مرحب کا، نہ کچھ اُس کی توانائی کا ڈر ہے
فدوی کو چچا جان کی تنہائی کا ڈر ہے

شہ نے کہا، کیا روحِ علی آئی نہ ہوگی
نانا نے مرے کیا یہ خبر پائی نہ ہوگی
کیا فاطمہ فردوس میں گھبرائی نہ ہوگی
سر ننگے وہ تشریف یہاں لائی نہ ہوگی
بندوں پہ عیاں زورِ خدا کرتے ہیں عبّاس
پیارے مرے! دیکھو تو کہ کیا کرتے ہیں عبّاس

اِس عرصے میں حملے کیے مرحب نے وہاں چار
پر ایک بھی اس پنجتنی پر نہ چلا وار
مانندِ دل و چشم، ہر اِک عضو تھا ہُشیار
عاری ہوئی تلوار، مخالف ہوا ناچار
جب تیغ کو جھنجلا کے رُخِ پاک پہ کھینچا
تلوار نے انگلی سے الف خاک پہ کھینچا

غازی نے کہا بس اسی فن پر تھا تجھے ناز — سیکھا نہ یداللّٰہیوں سے ضرب کا انداز
پھر کھینچی اس انداز سے تیغ شرر انداز — جو میان کے بھی منہ سے ذرا نکلی نہ آواز
یاں خوف سے قالب کو کیا میان نے خالی
واں قالبِ اعدا کو کیا جان نے خالی

یہ تیغ سراپا جو برہنہ نظر آئی — پھر جامۂ تن میں نہ کوئی روح سمائی
ہستی نے کہا توبہ، قضا بولی دُہائی — انصاف پکارا کہ ہے قبضے میں خدائی
لو، فتحِ مجسم کا وہ سر جیب سے نکلا
نصرت کے فلک کا مہِ نو غیب سے نکلا

بجلی گری بجلی پہ، اجل ڈر کے اجل پر — اک زلزلہ طاری ہوا گردوں کے محل پر
سیارے ہٹے، گر کے نظر تیغ کے پھل پر — خورشید تھا مریخ پہ، مریخ زحل پر
یہ ہول دیا تیغِ درخشاں کی چمک نے
جو تاروں کے دانتوں سے زمیں پکڑی فلک نے

مرحب سے مخاطب ہوئے عباسِ دلاور — شمشیر کے مانند سراپا ہوں میں جوہر
ممکن ہے کہ اک ضرب میں دو ہو تو سراسر — پر اس میں عیاں ہوں گے نہ جوہر مرے تجھ پر
لے روک مرے وار، ترے پاس سپر ہے
زخمی نہ کروں گا، ابھی اظہارِ ہنر ہے

کاندھے سے سپر لے کے مقابل ہوا دشمن — بتلانے لگے تیغ سے یہ ضرب کا ہر فن
یہ سینہ، یہ بازو، یہ کمر اور یہ گردن — یہ خود، یہ چار آئنہ، یہ ڈھال، یہ جوشن
کس وار کو وہ روکتا، تلوار کہاں تھی
آنکھوں میں تو یہ برق سی تھی، نگاہوں سے نہاں تھی

مرحب نے نہ پھر ڈھال نہ تلوار سنبھالی　　اک ہاتھ سے سر ایک سے دستار سنبھالی
ظالم نے سناں غصے سے اک بار سنبھالی　　اس شیر نے شمشیر شرر بار سنبھالی
تانی جو سناں اس نے علم دار کے اوپر
نیزہ یہ اڑا لے گئے تلوار کے اوپر

جو چال چلا وہ، ہوا گم راہ و پریشاں　　پھر زاغچہ کھینچا جو کماں کا سرِ میداں
تیروں کی لڑائی پہ پڑا قرعۂ پیکاں　　تیروں کو قلم کرنے لگی تیغِ درخشاں
جوہر سے، نہ تیروں ہی کے پھل داغ بہ دل تھے
گر شست کے تھے ساٹھ، تو چلّے کے بھی چہل تھے

اُس تیغ نے سرکش کے جو ترکش میں کیا گھر　　غل تھا کہ نیستاں میں گری برق چمک کر
پر تیروں کے کٹ کٹ کے اُڑے مثل کبوتر　　مرحب ہوا مضطر، صفتِ طائرِ بے پر
بڑھ کر کہا غازی نے، بتا کس کی ظفر ہے؟
اب مرگ ہے اور تو ہے، یہ تیغ اور یہ سر ہے

نامرد نے پوشیدہ کیا رُخ کو سپر سے　　اور کھینچ لیا خنجرِ ہندی کو کمر سے
خنجر تو اُدھر سے چلا اور تیغ اِدھر سے　　اُس وقت ہوا چل نہ سکی بیچ میں ڈر سے
اللہ رے شمشیر علم دار کے جوہر
جوہر کیے اُس خنجرِ خوں خوار کے جوہر

خنجر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ سپر پر　　ٹھہری نہ سپر پر تو وہ سیدھی گئی سر پر
سیدھی گئی سر پر تو وہ تھی صدر و کمر پر　　تھی صدر و کمر پر تو وہ تھی قلب و جگر پر
تھی قلب و جگر پر تو وہ تھی دامنِ زیں پر
تھی دامنِ زیں پر تو وہ راکب تھا زمیں پر

ایماں نے اچھل کر کہا، وہ کفر کو مارا — قدرت نے پکارا کہ یہ ہے زور ہمارا
حیدر سے نبی بولے، یہ ہے فخر تمہارا — حیدر نے کہا، یہ مری پتلی کا ہے تارا
پروانۂ شمعِ رُخِ تاباں ہوئیں زہرا
محسن کو لیے گود میں قرباں ہوئیں زہرا

ہنگامہ ہوا گرم، یہ ناری جو ہوا سرد — واں فوج نے لی باگ، بڑھایاں یہ جواں مرد
ٹاپوں کی صدا سے سرِ قاروں میں ہوا درد — رنگِ رُخِ اعدا کی طرح اُڑنے لگی گرد
قاروں کا زرِ گنجِ نہانی نکل آیا
یہ خاک اُڑی رن سے کہ پانی نکل آیا

جو زندہ تھے، العظمۃ للہ پکارے — سر مُردوں کے نیزوں پہ جو تھے، واہ پکارے
ڈر کر عمرِ سعد کو گم راہ پکارے — خوش ہو کے علم دار سوے شاہ پکارے
یاں تو ہوا یا حضرتِ شبیر کا نعرہ
شبیر نے ہنس کر کیا تکبیر کا نعرہ

پردے کے قریب آکے بہن شہ کی پکاری — دشمن پہ ہوئی فتح، مبارک ہو، میں واری
اب کہتی ہوں میں دیکھتی تھی جنگ یہ ساری — عباس کی اِک ضرب میں ٹھنڈا ہوا ناری
مرحب کو تو خیبر میں یداللہ نے مارا
ہم نام کو ابنِ اسداللہ نے مارا

تم دونوں کا ہر وقت نگہ بان خدا ہو — دیکھے جو بری آنکھ سے، غارت ہو، فنا ہو
دونوں کی بلالے کے یہ ماں جائی فدا ہو — رو کر کہا حضرت نے بہن! دیکھیے کیا ہو
مُنہ چاند سا مجھ کو جو دکھائیں تو میں جانوں
دریا سے سلامت جو پھر آئیں تو میں جانوں

زینب سے بہ حسرت یہ بیاں کرتے تھے مولا — ناگاہ سکینہ نے سنا فتح کا مژدا
چلائی میں صدقے ترے، اچھی مری فضا — جا جلد بلائیں مرے عمّو کی تو لے آ
دکھ پیاس کا کہہ کر انھیں مدہوش نہ کرنا
پر یاد دلانا کہ فراموش نہ کرنا

لینے کو بلائیں گئی فضہ سوے جنگاہ — عباس نے آتے ہوئے دیکھا اُسے ناگاہ
چلائے کہ پھر جا، میں ہوا آنے سے آگاہ — کہہ دینا سکینہ سے، ہمیں یاد ہے واللہ
دل پیاس سے بی بی کا ہوا جاتا ہے پانی
لے کر ترے بابا کا غلام آتا ہے پانی

دریا کو چلے ابر صفت ساتھ لیے برق — مرحب کے شریکوں کا جُدا کرتے ہوئے فرق
سرداروں اور فوج میں باقی نہ رہا فرق — مرحب کی طرح سب چہ بہ ہب میں ہوئے غرق
تلوار کی اک موج نے طوفان اٹھایا
طوفان نے سر پر وہ بیابان اُٹھایا

پانی ہوئی ہر موجِ زرہ فوج کے تن میں — ملبوس میں زندے تھے کہ مُردے تھے کفن میں
خنجر کی زبانوں کو قلم کر کے دہن میں — اِک تیغ سے تلواروں کو عاری کیا رن میں
حیدر کا اسد، قلزم لشکر میں در آیا
اُمڈے ہوئے بادل کی طرح نہر پر آیا

دریا کے نگہبان بڑھے ہونے کو جو رنگ — پہنے ہوئے مچھلی کی طرح بر میں زرہ تنگ
کھینچے ہوئے موجوں کی طرح خنجرِ بے زنگ — سقے نے کہا، پانی پہ جائز ہے کہاں جنگ
دریا کے نگہبان ہو، پر غفلتِ دیں ہے
مانندِ حباب آنکھ میں بینائی نہیں ہے

پانی مجھے اک مشک ہے اس نہر سے درکار بھر لینے دو مجھ کو، نہ کرو حجت و تکرار
چلائے ستم گر، ہے گزر نہر پہ دشوار غازی نے کہا، ہاں یہ ارادہ ہے، تو ہشیار!
لو، سیل کو اور برقِ شرر بار کو روکو
رہ وار کو روکو، مری تلوار کو روکو

یہ کہہ کے، کیا اسپِ سبک تاز کو مہمیز بجلی کی طرح کوند کے چمکا فرسِ تیز
اشرار کے سر پر ہوا نعلوں سے شرر ریز سیلابِ فنا تھا کہ وہ طوفانِ بلا خیز
جھپکی پلک، اس رخش کو جب قہر میں دیکھا
پھر آنکھ کھلی جب، تو رواں نہر میں دیکھا

دریا میں ہوا غل کہ وہ دُرِ نجف آیا الیاس و خضر بولے، ہمارا شرف آیا
عباس شہنشاہِ نجف کا خلف آیا پابوس کو موتی لیے دستِ صدف آیا
یاد آگئی پیاسوں کی جو حیدر کے خلف کو
دل خون ہوا دیکھ کے دریا کی طرف کو

سوکھے ہوئے مشکیزے کا پھر کھولا دہانہ بھرنے لگا خم ہو کے وہ سرتاجِ زمانہ
اعدا نے کیا دور سے تیروں کا نشانہ اور چوم لیا روحِ یداللہ نے شانہ
فرمایا کہ کیا کیا مجھے خوش کرتے ہو بیٹا!
پانی مری پوتی کے لیے بھرتے ہو بیٹا!

دریا سے جو نکلا اسد اللہ کا جانی تھا شور کہ وہ شیر لیے جاتا ہے پانی
پھر راہ میں حائل ہوئے سب ظلم کے بانی سقائے سکینہ کی یہ کی مرتبہ دانی
قبریں نبی و حیدر و زہرا کی ہلا دیں
برچھوں کی جو نوکیں تھیں کلیجے سے ملا دیں

وہ کون سا تھا تیر جو دل پر نہ لگا یا ‏ ‏ مشکیزے کے پانی سے سوا خون بہا یا
یہ نرغہ تھا جو شمر نے حیلے سے سُنایا ‏ ‏ عبّاس بچو! غول کمیں گاہ سے آیا
مڑکر جو نظر کی خلفِ شیرِ خُدا نے
شانوں کو تہِ تیغ کیا اہلِ جفا نے

لکھّا ہے کہ اک نخلِ رطب تھا سرِ میداں ‏ ‏ ابنِ ورقہ زیدِ لعیں اُس میں تھا پنہاں
پہنچا جو وہاں سروِ روانِ شہِ مرداں ‏ ‏ جو شانہ تھا مشک و علم و تیغ کے شایاں
وار اُس پہ کیا زید نے شمشیرِ اجل سے
یہ پھولی پھلی شاخ، کٹی تیغ کے پھل سے

مشک و علم و تیغ کو بائیں پہ سنبھالا ‏ ‏ اور جلد چلا عاشقِ رو شہِ والا
پر ابن طفیل آگے بڑھا تان کے بھالا ‏ ‏ برچھے کی انی سے تو کیا دل تہ و بالا
اور تیغ کی ضربت سے جگر شاہ کا کاٹا
اور ہاتھ بھی فرزندِ یدُاللہ کا کاٹا

سقّے نے کٹی باہوں پہ مشکیزے کو رکھ کر ‏ ‏ مانندِ زباں مُنہ میں لیا تسمہ سراسر
ناگاہ کئی تیر لگے آکے برابر ‏ ‏ اک مشک پہ، اک آنکھ پہ اور ایک دہن پر
مشکیزے سے پانی بہا اور خوں بہا تن سے
عبّاس گرے گھوڑے سے، اور مشک دہن سے

گر کر لبِ زخمی سے علم دار پکارا ‏ ‏ کہ دے کوئی پیاسوں سے کہ سقّا گیا مارا
سن لی یہ صدا شاہِ شہیداں نے قضا را ‏ ‏ زینب سے کہا، لو نہ رہا کوئی ہمارا
اصغر کا گلا چھد گیا، اکبر کا جگر بھی
بازو بھی مرے ٹوٹ گئے اور کمر بھی

زینب نے کہا، سچ ہے سبھی مر گئے بھائی! — سب کنبے کو عباس فنا کر گئے بھائی!
آفاق سے اب حمزہ و حیدر گئے بھائی! — ہم مجلسِ حاکم میں کھلے سر گئے بھائی!

میں جان چکی، قیدِ مصیبت میں پڑی ہوں
اب گھر میں نہیں، بلوے میں سر ننگے کھڑی ہوں

ناگاہ صدا آئی کہ اے فاطمہ کے لال — جلد آؤ کہ اب لاشہ مرا ہوتا ہے پامال
زینب نے کہا، زندہ ہیں عباسِ خوش اقبال — تم جاؤ ہیں یاں بہرِ شفا کھولتی ہوں بال

شہ بولے، لبِ گور سکینہ کا چچا ہے
اس فوج کا مارا ہوا کوئی بھی بچا ہے

اکبر کے سہارے سے چلے نہر پہ آقا — گہ ہوش تھا، گہ غش، کبھی سکتہ، کبھی نوحا
لکھا ہے کہ ٹکڑے ہوئے یوں سقے کے اعضا — اِک ہاتھ تو مقتل میں ملا اِک لبِ دریا

زہرا کا پسر رن میں جو زیرِ شجر آیا
اِک ہاتھ تڑپتا ہوا شہ کو نظر آیا

گر کر شہِ والا نے یہ اکبر سے کہی بات — اے لال اٹھالو، مرے بازو کا ہے یہ ہاتھ
یہ ہاتھ رکھے سینے پہ، وہ وارثِ سادات — پہنچا جو سرِ لاشۂ عباسِ خوش اوقات

ہیہات، قلم تیغوں سے شانے نظر آئے
سر ننگے یداللہ سرہانے نظر آئے

بے ساختہ ماتھے پہ رکھا شاہ نے ماتھا — لب رکھ کے لبوں پر کہا، واحسرت و دردا!
یہ تیر، یہ آنکھ اور یہ نیزہ، یہ کلیجا — واقُرّۃ عینا مرے، وا بہجۃ قلبا

کچھ منہ سے تو بولو، مرے غم خوار برادر!
عباسِ ابوالفضل، علم دار برادر!

اُس جاں شکنی میں جو سنا شیونِ مولا
تعظیم کی نیت میں کٹے شانوں کو ٹیکا
پھر پانو سمیٹے کہ نہ ہوں پائنتی آقا
شہ بولے، نہ تکلیف کرو اے مرے شیدا
کی عرض، میں پھیلائے ہوئے پانو پڑا ہوں
حضرت نے یہ فرمایا، سرھانے میں کھڑا ہوں

یاں تھی یہ قیامت، وہاں خیمے میں یہ محشر
در پہ تھیں نبی زادیاں سب کھولے ہوئے سر
تشویش تھی کیوں لاش کو لے آئے نہ سرور
عباس کا فرزند، سراسیمہ تھا باہر
تن رعشے میں خورشیدِ درخشاں کی طرح تھا
دل ٹکڑے یتیموں کے گریباں کی طرح تھا

یہ غل تھا، جو مولا لیے مشک و علم آئے
خیمے میں کمر پکڑے امامِ اُمم آئے
اور گردِ علم بال بکھیرے حرم آئے
زینب سے کہا شہ نے، بہن لٹ کے ہم آئے
بھائی کے یتیموں کی پرستار ہو زینب!
تم مہتمِ سوگِ علم دار ہو زینب!

خاموش دبیر اب کہ نہیں نظم کا یارا
مداح کا دل خنجرِ غم سے ہے دو پارا
کافی پئے بخشش یہ وسیلہ ہے ہمارا
اِک ہفتے میں تصنیف کیا مرثیہ سارا
تجھ پر کرمِ خاص ہے یہ حق کے ولی کا
یہ فیض ہے سب مدحِ جگر بندِ علی کا

اے شمس و قمر، نور کی محفل ہے یہ محفل
خورشید ید اللہ کی منزل ہے یہ محفل
روشن ہے کہ برجِ مہ کامل ہے یہ محفل
دربانیِ جبریل کے قابل ہے یہ محفل
ہر ذرہ، چراغِ حرمِ لم یزلی ہے
حقا کہ یہ دربارِ حسین ابنِ علی ہے

یوسف ہیں فدا جس پہ یہ بازار ہے کس کا
دُر بار ہے ہر چشم، یہ دربار ہے کس کا
کیوں زرد ہے خورشید، یہ بیمار ہے کس کا
لاغر ہے مہِ نو، یہ عزادار ہے کس کا
جلوہ ہے یہ سب ماتمِ شاہِ شہدا کا
دربار ہے یہ مالکِ سرکارِ خدا کا

جاروب کشِ فرش عزا، عرشِ علا ہے
دروازہ ہے، یا ہاتھ سخی کا یہ کھلا ہے
ہر ایک گنہ، عفو کی میزاں میں تلا ہے
شربت کے عوض معجزے کا قند گھلا ہے
پیتے ہی روا ہوتی ہے نادار کی حاجت
بے زر کو نہیں شربتِ دینار کی حاجت

ماتم کا مرقع ہے کہ خاموش ہے مجلس
یہ داغ ہے کس کا کہ سیہ پوش ہے مجلس
ہر بند کی خاطر ہمہ تن گوش ہے مجلس
یہ مرثیہ کس کا ہے کہ بے ہوش ہے مجلس
حیدر کو قلق، فاطمہ کو نوحہ گری ہے
کیا خون میں تصویر پیمبر کی بھری ہے

یہ کون جواں ہے، جسے روتی ہے جوانی　　کون اُٹھا ہے پڑا سا جو گرا آنکھ سے پانی
کیوں چشم کے چشمے میں ہے دریا کی روانی　　کیا خون میں ڈوبا ہے کوئی یوسفِ ثانی
کنعانِ شہادت کا حسیں کون ہے ایسا
خورشید لقا، ماہ جبیں کون ہے ایسا

محتاجِ کفن لاش ہے کس فخرِ جہاں کی　　ہر گورِ غریباں میں ہے دھوم آہ و فغاں کی
پوچھو تو زمانے سے، یہ ہے رسم کہاں کی　　تابوت پہ سہرا نہیں، میت ہے جواں کی
مرنا تو ہے برحق، سبھی اک روز مریں گے
لیکن یہ شباب اور یہ اجل، یاد کریں گے

یہ غم ہے غمِ مرگِ جوانانۂ اکبرؑ　　یہ مجلسِ ماتم ہے عزا خانۂ اکبرؑ
دل جلتے ہیں سب کے کہ ہیں پروانۂ اکبرؑ　　بن پانی کے لب ریز ہے پیمانۂ اکبرؑ
ہم سن ہیں جو زہراؑ کے، تو ہم شکلِ نبیؐ ہیں
حیدرؑ کے جوانوں میں، جواں مرگ یہی ہیں

رُخ وہ کہ حسینانِ عرب جس پہ ہیں شیدا!　　ہے خالِ درخشاں، دلِ یوسف کا سُویدا
سبزہ ہے جوانی کا رُخِ سرخ سے پیدا　　یاقوت سے خوش رنگ زمرد ہے ہُویدا
گلشن ہیں، مگر آہ نہ پھولے نہ پھلے ہیں
آمد ہے جوانی کی، یہ دنیا سے چلے ہیں

کھانے کی تمنا ہے، نہ پانی کی تمنّا　　نے سلطنتِ عالمِ فانی کی تمنّا
پھر کیا ہے؟ فقط مرگِ جوانی کی تمنّا　　پہلی ہے یہی احمدِ ثانی کی تمنّا
نیزہ جگرِ پاک سے جس آن نکالا
بولے کہ خدا نے مرا ارمان نکالا

چہرے سے مصیبت بھی، تحمّل بھی عیاں ہے　　آنکھوں سے شجاعت بھی، تحمّل بھی عیاں ہے
فاقے میں قناعت بھی، توکّل بھی عیاں ہے　　سر دینے میں عجلت بھی، تامّل بھی عیاں ہے
جلدی کا سبب، شوقِ حضوریِٔ خدا ہے
وقفے کی جہت، الفتِ شاہِ شُہدا ہے

بادل کی طرح رن میں عدو چھائے ہوئے ہیں　　مولا سرِ تسلیم کو نہوڑائے ہوئے ہیں
اس وقت حرم خیمے میں گھبرائے ہوئے ہیں　　ہم شکلِ نبی بہرِ وداع آئے ہوئے ہیں
عبّاس کے ماتم کو تو موقوف کیا ہے
اس چاند کو ہالے کی طرح گھیر لیا ہے

چاروں طرف اکبر کی خوشامد کا ہے ساماں　　مسند کو کوئی جھاڑتی ہے پلکوں سے اس آں
لاتی ہے مصلّا کوئی ان کا، کوئی قرآں　　دل جوئی پہ سب جمع ہیں پر دل ہے پریشاں
چہرے پہ بیاباں کی جو گرد پڑی ہے
چھوٹی بہن آئینہ لیے آگے کھڑی ہے

برہم ہیں یہ، ماتم کی صفیں دیکھ کے ہر سو　　سر ننگے جو کنبہ ہے تو بل کھاتے ہیں گیسو
خالی ہے جو خیمہ تو بھر آتے ہیں آنسو　　عبّاس سا مہ رو ہے نہ قاسم سا ہے گل رو
حیراں ہیں کہ دربارِ پدر ہو گیا خالی
رن بھر گیا گھر والوں سے گھر ہو گیا خالی

منّت یہ کنیزوں کی ہے، کیوں شاہ کے گلفام!　　ہم فرش بچھا دیں کوئی دم کیجیے آرام
یہ کہتے ہیں، مظلوموں کو آرام سے کیا کام　　مٹتا ہے جہاں سے علی و فاطمہ کا نام
نیند آج کی کھوئیں گے، تو آرام ملے گا
اب قبر میں سوئیں گے، تو آرام ملے گا

اکبر کی ہر اک بات پہ تھراتی ہے بانو ماتھے پہ شکن دیکھ کے، غش کھاتی ہے بانو
کچھ سوچنے لگتے ہیں تو گھبراتی ہے بانو مُڑتے ہیں جو رن کو تو موئی جاتی ہے بانو
اک ہاتھ کلیجے پہ دھرے، ایک جبیں پر
آنکھوں کو جھکائے ہوئے بیٹھی ہے زمیں پر

اکبر کی گزارش ہے کہ منگوائیں سواری ماں کہتی ہے، لو کیوں نہ رضا دوں گی میں واری
پوری ہوئیں جو جو کہ مرادیں تھیں ہماری گھر بھر گیا بچّوں سے، دلھن دیکھی تمھاری
کیا دیکھ کے دل خوش مرا ہوتا ہے، میں صدقے
پہلو میں بہو، گود میں پوتا ہے، میں صدقے

گر نخل لگاتا ہے کوئی اے مرے گل فام میوے نہیں تو چھاؤں میں پاتا ہے وہ آرام
تم تو ہو نہالِ چمنِ شاہِ خوش انجام کیا ایک میں، ہی سارے زمانے میں ہوں ناکام
موسم ترے پھلنے کا اب آیا ہے، میں صدقے
قسمت میں مری پھل ہے، نہ سایا ہے، میں صدقے

کافی ہے تری چاہ، جو پانی نہ ملے گا دل باغ ہے، گر داغِ جوانی نہ ملے گا
ڈھونڈھوں گی تو کیا کیا مجھے جانی نہ ملے گا پر احمدِ ثانی، ترا ثانی نہ ملے گا
انصاف نہ دو ہاتھ سے، ہم شکلِ نبی ہو
دیکھو، کہیں مجھ سے نہ کوئی بے ادبی ہو

اکبر نے یہ کی عرض کہ خادم کا ادب، کیا بستے بھی ہیں لٹتے بھی ہیں گھر، اس کا عجب کیا
ہم تو ہیں پُر ارمانِ ازل، عیش و طرب کیا فرمایئے دنیا میں شجر پھلتے ہیں سب کیا
کیا آپ نے تقدیر کو پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو کسی باغ پہ گرتے نہیں دیکھا

نعم البدلُ اکبر کا ابھی گھر میں ہے موجود
سجادِ حزیں، قبلۂ دیں، کعبۂ مقصود
دیکھا نہ مرا بیاہ تو جو مرضیِ معبود
باقر کی خدا عمر کرے خضر سے افزود
یہ دونوں جہاں میں تمھیں ممتاز کریں گے
وہ بولی کہ اور آپ؟ کہا، پیاسے مریں گے

کچھ بانوئے بےکس کو جواب اس کا نہ آیا
مُنہ دیکھ کے فرزند کا، سر اپنا جھکایا
دروازے پہ گھوڑا علی اکبر نے منگایا
آداب بجالا کے، یہ مادر کو سُنایا
ملبوس بدلوا دو، نہ تکلیف اگر ہو
ہے شرط، نہ لیکن پھوپی اماں کو خبر ہو

وہ بولی یہ مشکل ہے، یہ دشوار ہے واری
پوشاک وہی رکھتی ہیں بچپن سے تمھاری
اتنے میں حضور آکے، سکینہ یہ پکاری
وہ سُن بھی چکیں، آئی ہے ڈیوڑھی پہ سواری
چھپ کر پھوپی زینب سے کہاں جاتے ہو بھائی!
سب کنبے کو کس واسطے رلواتے ہو بھائی!

بولے علی اکبر، تمھیں کہ آئیں پھوپی سے
بے زار ہوئی ہوں گی وہ، ہم شکلِ نبی سے
بتلاؤ تو کیا جا کے کہا بنتِ علی سے
وہ بولی کہ بھیّا مجھے تم پیارے ہو جی سے
کہہ آئی ہیں اُن سے کہ کہیں جاتے ہیں بھائی
اماں کو بڑی دیر سے رلواتے ہیں بھائی

ناگاہ نمودار ہوئی زینب غم ناک
چہرے پہ ملے خاک، گریبان کیے چاک
ہم راہ لیے اکبرِ گل فام کی پوشاک
غُصّے سے بدن رعشے میں اور سرخ رُخِ پاک
کہتے تھے حرم، غیظ میں یہ بنتِ علی ہے
یا فاطمہ اب عرش ہلانے کو چلی ہے

اکبر کے سنانے کو یہ کہتی تھی زباں سے — اے عون و محمد! تمھیں لاؤں میں کہاں سے
جو کام کیا، پوچھ کے مجھ سوختہ جاں سے — اب قدر ہوئی پیاروں کی جب چھٹ گئے ماں سے
کیا جان کے دم بھرتی تھی ہم شکلِ نبی کا!
سب کہنے کی باتیں ہیں، نہیں کوئی کسی کا

بانو نے کہا کان میں اکبر کے، خبردار! — جو چاہیں یہ فرمائیں، نہ تم بولیو زنہار
اِس وقت جلالِ شہِ مرداں کے ہیں آثار — واری، میں رضا دینے سے کر جاؤں گی انکار
سیدانیاں بھی دیکھ کے آمد کو ڈری ہیں
خالی یہ لرزنا نہیں، غصے میں بھری ہیں

پاس آکے کہا زینبِ بے کس نے بہ رقّت — لو بھابی یہ ملبوس، یہ اکبر کی امانت
بچپن کے بھی کرتے ہیں، جوانی کے بھی خلعت — اللہ مبارک کرے اب تم کو یہ خدمت
تم والدہ اِن کی ہو، پدر سرورِ دیں ہیں
یہ آج کھلا، ہم کوئی اکبر کے نہیں ہیں

جو بات ہو سچ اس کا برا ماننا کیا ہے — قابل مرے ہاتھوں کے یہ پوشاکِ عزا ہے
میں نے ابھی بیٹوں کا لہو منہ پہ ملا ہے — یہ پیرہنِ ثانیِ محبوبِ خدا ہے
کیوں ہاتھ سے میرے تمھیں وسواس نہ آئے
اکبر کو قسم دو کہ مرے پاس نہ آئے

پھر رونے لگی پیٹ کے منہ، زینبِ ناچار — ہم شکلِ نبی لپٹے، یہ کہتے ہوئے اک بار
میری پھپھی اماں، مری مالک، مری مختار! — میں تو ہوں غلام آپ کا، کیوں آپ ہیں بیزار
ہم چاہتے ہیں، تم ہمیں چاہو کہ نہ چاہو
اللہ اب اک بات پہ بندے سے خفا ہو

ہٹ ہٹ کے وہ بولی کہ نہ یہ ذکر نکالو   دم رکتا ہے، باہیں نہ گلے میں مرے ڈالو
ماں بیٹھی ہے وہ، جاؤ گلے اس کو لگا لو   بانو کی خوشامد کرو، مرنے کی رضا لو

میں پیار نہیں کرتی، میں قرباں نہیں ہوتی
جاؤ میں تمہاری پھپھی اماں نہیں ہوتی

جیتی رہیں بھابی، وہ ہیں حق دار تمہاری   میں کا ہے کو ہونے لگی مختار تمہاری
جاؤ نہ، سواری تو ہے تیار تمہاری   اٹھارہ برس کی ہوں پرستار تمہاری

کس سے کہوں، کیا خونِ جگر پیتی ہوں ہے ہے!
دل پر تو چھری پھر گئی، اور جیتی ہوں ہے ہے!

زینب نے بہت آپ کو اکبر سے چھڑایا   اکبر نے انھیں منت و زاری سے منایا
آنسو جو تھمے، مطلبِ دل اپنا سنایا   زینب نے کہا، لو، وہی مذکور پھر آیا

میں سمجھی تھی، ناشاد کو اب شاد کرو گے
سچ مچ علی اکبر! مجھے برباد کرو گے

میں تیغ سے کٹتے یہ گلا دیکھ سکوں گی؟   جو سن نہیں سکتی وہ بھلا دیکھ سکوں گی؟
اس باغ پہ بارانِ بلا دیکھ سکوں گی؟   اس چاند سے منکے کو ڈھلا دیکھ سکوں گی؟

آنسو مرے پوچھے تھے تو رکوانے کی خاطر
کیوں لال! یہ ملنا تھا بچھڑ جانے کی خاطر

اکبر نے کہا، آپ کی الفت کے میں قربان   اب چند قدم کیجیے تکلیف پھپھی جان
اک غم کا مرقع ہے، وہ دکھلاؤں گا اس آن   پھر آپ قسم دیں گی کہ مر جاؤ پر ارمان

فرمایا، مرقع کہاں اے ماہ جبیں ہے
کی عرض، پسِ پشتِ خیامِ شہ دیں ہے

بڑھ کر علی اکبر نے قنات ایک اُٹھائی ۔ گردن جو اُدھر زینبِ نالاں نے پھرائی
دیکھا کہ کمر پکڑے ہوئے روتے ہیں بھائی ۔ بے ساختہ چلائی کہ اللہ دُہائی!
اس غم کے مرقّع کے میں قربان، یہی ہے؟
رو کر کہا اکبر نے پھپھی جان! یہی ہے
لِلّٰہ سرِ پاک کے ہوڑانے کو دیکھو ۔ فاقے میں مرے باپ کے تھرّانے کو دیکھو
تنہا یہاں، رونے کے لیے آنے کو دیکھو ۔ ویران شہیدوں کے جلو خانے کو دیکھو
جو دم ہے غنیمت ہے، کچھ اب حال نہیں ہے
روکا جو مجھے، فاطمہ کا لال نہیں ہے
پھر تو یہ پکاری وہ یدُاللہ کی جائی ۔ سیدانیو! دولہا کو سنوارو، اجل آئی
پوشاک نئی ہاتھوں پہ رکھ کر کوئی لائی ۔ معراج تنِ پاک پہ اُس جامے نے پائی
پھاڑا علی اکبر نے گریبان قبا کا
اور نوحہ کیا "ہائے چچا ہائے چچا" کا
عمامے نے تو گیسوؤں کو پیچ میں ڈالا ۔ خورشید سے وہ تھا قدِ بالا پہ دو بالا
بندھنے لگا پٹکا تو ہوا طُرفہ اُجالا ۔ اُس دور میں جو گرد پھرا چاند کا ہالا
عُقدہ یہ کھلا باندھنے سے تیغ و سپر کے
اک برج میں جلوے ہیں ہلال اور قمر کے
نکلا وہ مرادوں کا چمن ہونے کو تاراج ۔ ارمان پکارے کہ ملے خاک میں ہم آج
پہنچا گئے در تک حرمِ صاحبِ معراج ۔ آیا عقبِ خیمہ سے کونین کا سرتاج
حضرت نے جو پوچھا کہ فدا ہوتے ہو ہم پر
فرزند نے سر رکھ دیا بابا کے قدم پر

گردوں کی طرف دیکھ کے شہ نے یہ سنایا — بندے کو گواہی تری کافی ہے خدایا
ایسا مجھے اس امتِ بے دیں نے ستایا — نانا کی زیارت سے بھی اب ہاتھ اٹھایا
لی جان مرے قافلے والوں کی سفر میں
تصویر نبی کی بھی نہ چھوڑی مرے گھر میں

میں اب کوئی اس شکل کا بیٹا نہیں رکھتا — پر تیرے حضور اس کی بھی پروا نہیں رکھتا
ناصر کوئی جز خالقِ یکتا نہیں رکھتا — سب کچھ ہے عنایت سے تری، کیا نہیں رکھتا
گر درد دیا ہے، تو تحمل بھی دیا ہے
مالک مرے، جو تو نے کیا، خوب کیا ہے

سودا بہ رضا ہوتا ہے بازار میں تیرے — بھولا ہوں ہر اک پیار کو میں پیار میں تیرے
حیران پیمبر رہے اسرار میں تیرے — اب جلد حسین آئے گا دربار میں تیرے
بعد ان کے نہ آنکھیں، نہ زیارت ہے نبی کی
اب موت ہی بہتر ہے حسین ابنِ علی کی

پھر دم کیے آیے گئے فرزندِ حسیں پر — انگلی سے لکھا نام علی، لوحِ جبیں پر
رخصت کیا اور بیٹھے سرِ راہ زمیں پر — دل صبر کا تھرّا گیا حالِ شہِ دیں پر
آئے سوئے اصطبل جنابِ علی اکبر
خود لائی اجل کس کے عقابِ علی اکبر

شہزادے نے جلوہ جو کیا خانۂ زیں پر — آوازہ کسا زین نے خورشیدِ مبیں پر
مرکب نے قدم ناز سے رکھا نہ زمیں پر — سرعت سے کہا، فرش بچھا عرشِ بریں پر
پلکوں سے لیا پنجے میں شہبازِ قضا کو
نعلوں کے شکنجے میں کیا قید ہوا کو

وہ رخش تھا یا ابلقِ ایام کا اقبال   نکھ سکھ سے درست اور جواں مثلِ مہ و سال
جادو تھا فِدا آنکھ پہ، اک معجزہ تھی چال   خورشید کے سُم، برق کی دم، سنبلہ کی یال
قوّت کی طبیعت تھی، دلیری کا جگر تھا
سُرعت کا بدن، فہم کا دل، عقل کا سر تھا

لشکر میں خبردار یہ لے کر خبر آئے   ہاں توبہ کرو شر سے کہ خیر البشر آئے
ہنس کر کہا سب نے کدھر آئے کدھر آئے   چلّانے لگا شمر، وہ اکبر نظر آئے
تھاو، ہم کہ خالی شہِ بے کس کا پرا ہے
گھر شیرِ خدا کا ابھی شیروں سے بھرا ہے

رہ وار کے کاوے سے زمیں چرخ میں آئی   پر غرقِ عرق ہو گیا وہ حق کا فدائی
چہرے پہ عجب آب پسینے نے دکھائی   ان قطروں سے نیساں پہ گھٹا شرم کی چھائی
یہ قدر عرق کی نہ کسی رُو سے بڑھی تھی
شبنم کبھی خورشید کے مُنہ پر نہ چڑھی تھی

ماتھے کا عرق پاک کیا انگلی سے بارے   سورج سے کیے دور، مہِ نو نے ستارے
حیدر کے لب و لہجے سے لشکر کو پکارے   ہاں غافلو! رتبے سے ہو آگاہ ہمارے
اللہ کے بندے ہیں ہم، اللہ نہیں ہیں
بندے مگر اس طرح کے واللہ نہیں ہیں

تن پر رہِ معبود میں، ہم سر نہیں رکھتے   ہم سر کے کٹا دینے میں ہم سر نہیں رکھتے
جز دستِ گدا اور کہیں زر نہیں رکھتے   تکیہ کرمِ حق پہ ہے، بستر نہیں رکھتے
یہ اُن پہ کُھلا ہے کہ وہ خاصانِ خُدا ہیں
ہر بندے کے، ہم نامِ خدا، عُقدہ کُشا ہیں

احکامِ یزید اور ہیں اور اپنے اُمور اور — باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے اور آتشِ طور اور — زنبور کا غُل اور ہے، الحانِ زبور اور
سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے، ملک کیا
بُت کیا ہے، خدا کیا ہے، زمیں کیا ہے فلک کیا

دولت سے کوئی صاحبِ ایماں نہیں ہوتا — ہر لٹھ عصاءِ موسیِٰ عمراں نہیں ہوتا
پہنے جو انگوٹھی، وہ سلیماں نہیں ہوتا — آئینہ گر، اسکندرِ دوراں نہیں ہوتا
لاکھ اوج ہو پشّے کا، ہُما ہو نہیں سکتا
بُت سجدۂ کافر سے، خدا ہو نہیں سکتا

کیوں حجتِ اللہ سے ہر شے پہ ہے تکرار — کی مدنی، قبلۂ دیں، کعبۂ ابرار
کس بات پہ حاکم ہو، بیعت کا سزاوار — بدکار، زیاں کار، سیہ کار، جفا کار
قابل یہ امامت کے ہے، قائل ہمیں کردو
قرآن کی آیت سے، حدیثوں سے خبر دو

اُتری مرے دادا کے لیے عرش سے شمشیر — نازل مری دادی پہ ہوئی چادرِ تطہیر
اوڑھے ہوئے ہے اب وہ ردا خواہرِ شبیر — جس نے مجھے پالا ہے بصد عزّت و توقیر
مکّے کے، مدینے کے جوانوں کا شرف ہوں
زینب کا غلام، اور میں بانو کا خلف ہوں

نالہ عمرِ سعد نے طارق کو پکارا — خاموش کر اس شمعِ حسینی کو خدا را
جا، کشورِ موصل کی حکومت ہو گوارا — وہ بولا، نہ دو تم، تو کروں کیا میں تمھارا
اُس دیو کو، مُہرِ لبی سیہ رو نے عطا کی
اکبر کے لیے روحِ سلیماں نے دعا کی

تھا ہالۂ تائیدِ خدا میں قمرِ شاہ   عقرب کے طریقے سے بڑھا طارقِ گم راہ
نیزہ نہ کہو، نیش تھا عقرب کا سوئے ماہ   ہستی نے کہا، جا تجھے غارت کرے اللہ
شبرنگ نئے رنگ سے موذی کا بڑھا تھا
طاؤس پہ بل کھاتا ہوا سانپ چڑھا تھا

گو نیزے کے فن میں بہت اس نحس نے کد کی   ہر طعن پہ لعن اس کو ملی ربِ صمد کی
پھرتی میں عجب شکل تھی اس سروِ قد کی   بس فرق میں اک نقطے کے زد نیزے کی، رد کی
پھر کان پہ توسن کے رکھا نیزہ ہلا کر
یا لیس کماں کو کیا پیکاں سے ملا کر

اُس نیزے سے یہ سہم کے تڑپا وہ کمینہ   چار آئنہ ٹکڑے ہوا، زخمی ہوا سینہ
نیزہ جو لگا سینے میں، نے دل تھا، نہ کینہ   یہ سانپ خزانے کا، وہ کافر کا خزینہ
سرکا، تو دبے پانو سرہانے اجل آئی
دو ہاتھ سناں پُشت سے باہر نکل آئی

خورشید نے پھر نیزہ کرن کا نہ ہلایا   برچھوں فلک اچھلے کہ عجب نیزہ لگایا
لاشہ پسرِ سعدِ لعیں دیکھنے آیا   سب نے وہ سناں پُشت میں
ڈھالوں میں ہر اک خوف سے منہ ڈھانک رہا ہے
اژدر، درۂ کوہ سے وہ جھانک رہا ہے

ناگہ بنِ طارق، عمرِ بد سیر آیا   چلّے سے ملائے ہوئے تیر اہلِ شر آیا
حیرت کا مرقع وہ ستم گر نظر آیا   یاں قوس کے ہالے میں ہلالِ ظفر آیا
تیر اُن کا ہوا زیبِ کماں، جنگ کی لو میں
روشن تھا کہ اک شمع ہے طاقِ مہِ نو میں

چھوٹا جو خدنگ اُن کا تو چلائے کہ و مہ　　قرباں، زہے قوس و زہے نیزہ، زہے زہ
بولا یہ خوشامد سے عدو کا تنِ فربہ　　لے تیر! اتری نذر کو دل یہ ہے، جگر یہ
مجبور زرہ سے نہ سرِ مو ہوا پیکاں
دل میں ستم آرا کے ترازو ہوا پیکاں

گردش کی نہ آنکھوں نے، نہ جنبش سر و پا نے　　جب رُوح کا پیچھا کیا اُس تیرِ قضا نے
اُس وقت کی سُرعت ملک الموت ہی جانے　　مُنہ ڈھانپ لیا تیر کے پلّے سے ہوا نے
جاں اُس کی تنِ زشت سے مُنہ موڑ کے بھاگی
حسرت دلِ ناپاک کی، جی چھوڑ کے بھاگی

طلحہ بنِ طارق نے پھر اشہب کو اُڑایا　　بالخیر یہ ثالث بھی نہ شر سے نظر آیا
اکبر نے گریباں کی طرف ہاتھ بڑھایا　　گردن کی رگیں پس گئیں، گھوڑے سے اُٹھایا
چھٹ جائیں رکابیں نہ اگر پائے لعیں سے
اغلب تھا کہ رہ وار بھی اُٹھ جائے زمیں سے

چکر بس زمیں آگئی، یوں گرد پھرایا　　تقدیر کی گردش نے بد اختر کو رُلایا
اِک برج نیا چرخ کے نیچے نظر آیا　　جنگل میں بھنورِ قلزمِ جرأت نے دکھایا
سرگشتہ نہ تھا طلحۂ ناپاک ہوا پر
یہ کوزہ گرِ چرخ کا تھا چاک ہوا پر

پھر دستِ مبارک سے جو اِس نحس کو چھوڑا　　گھوڑے کے لیے ہاتھ کا سایہ، ہوا کوڑا
تن جل گیا ناری کا، ہوا گرم جو گھوڑا　　ششدر ہوئے دو لاکھ، رُخ اُس سمت سے موڑا
تکبیر کہی دل برِ شاہِ مدنی نے
فی النّار کیا ناریوں کو پنج تنی نے

بعد اس کے، صفِ جنگ سے اک صف شکن آیا　　مصراع بنِ غالبِ رویں بدن آیا
تھا اُس کا فرس، یا تہِ راں کرگدن آیا　　بگڑا جو جواں شیر تو کچھ بھی نہ بن آیا
خالی ہوا رعبِ خلفِ شاہِ زماں سے
سر عقل سے، رخ رنگ سے، دل تاب و تواں سے

پانی نے اُسے آپ کی تلوار کو سونپا　　اور خاک نے ضربِ ہم رہ وار کو سونپا
پھر آگ نے پیکانِ شرر بار کو سونپا　　آخر کو ہوا نے کرۂ نار کو سونپا
چار اُس کے عناصر تو گئے چار طرف کو
کی فتح نے تسلیم دو عالم کے شرف کو

مصراع ہوا روبروئے مطلعِ اسلام　　تلوار ادھر کھنچی پئے تقطیعِ بد انجام
جب میان کے مصرع سے بڑھا فقرۂ صمصام　　ہاتف نے کہا، نظم و نسق کا ہے یہ ہنگام
کیا میان میں شمشیر کے فقرے کو کل آئے
لو، مصرعِ موزوں سے وہ معنی نکل آئے

دل فتح کا تازہ کیا اس خضرِ جواں نے　　ظلمت سے کیا رن میں ظہور آبِ رواں نے
کی آرزوے غوطہ زنی طائرِ جاں نے　　بے ساختہ تھرا کے کہا امن و اماں نے
وہ میان سے شمشیرِ شجاعت نکل آئی
لو، زائچے سے جنگ کی ساعت نکل آئی

مصراع سے مصرع ہوا ضمِ تیغِ اجل کا　　ہر رکن کٹا، وزنِ بدن ہو گیا ہلکا
قامت جو گرا دشت میں مردودِ ازل کا　　اُس ریگ پہ مصرع وہ بنا بحرِ رمل کا
سالم نہ دل و دیدۂ ملعوں نظر آیا
ہر بیت میں اُس تیغ کا مضموں نظر آیا

للکارا یہ افسر کو جری بتول کے تلوار — اب تو جگرِ پنجتنِ پاک سے ہو چار
چار آئینے یہ تیرے تھے جو، ہو گئے بیکار — ہم جنگ میں لاکھوں سے نہیں عاجز و ناچار

یہ سُن کے، عرقِ ناصیۂ فوج پر آیا
ہر قطرہ، سمندر کی طرح موج پر آیا

پھر تو قدم اس طرح بڑھا رخشِ جری کا — جیسے رہِ خالق میں اُٹھے ہاتھ سخی کا
یوں رنگ اُڑا تیغ سے ایک ایک شقی کا — جس طرح گنہ، توبہ سے زائل ہو کسی کا

یوں کُفر ملا فوج سے، شر جیسے شرر سے
باطل سے جُدا حق ہوا، حُر جیسے عمر سے

کڑکیت بھی کڑکے یہی رن ہے یہی میداں — کھیلو سپر و تیغ سے، وہ گو ہے یہ چوگاں
اکبر سے یہاں جوشِ شجاعت نے کہا، ہاں — مردانہ بڑھے کہتے ہوئے یا شہِ مرداں

روباہوں کو بڑھتے ہوئے اس شیر نے روکا
اُمڈا ہوا طوفاں، دمِ شمشیر نے روکا

یہ تیغ گری ہر سرِ بدخو پہ تڑپ کر — رُو کو کیا بے آبرو، ابرو پہ تڑپ کر
دل سینوں میں تڑپا دیے، پہلو پہ تڑپ کر — بجلی کی طرح پھر گئی بازو پہ تڑپ کر

عامل بھی نہ آسیب کو یوں سر سے اُتارے
جس طرح سر اس تیغ نے پیکر سے اُتارے

دو کر کے سپر کو، سرِ ناپاک پہ چمکی — سینے میں در آئی، دلِ صد چاک پہ چمکی
پے کر کے فرس کو، کرۂ خاک پہ چمکی — بجلی کی طرح لشکرِ سفّاک پہ چمکی

بھڑکا دیا شعلوں کی طرح آگ لگا کے
فی النار کیا ناریوں کے تن کو جلا کے

چمکی یہ جوں ہی نیّرِ اعظم کی طرح سے
اعدا کی زرہ اُڑ گئی شبنم کی طرح سے
گھر دل میں کیا تیغ نے یوں غم کی طرح سے
ہر صَف نظر آئی صَفِ ماتم کی طرح سے
آرام ملے خاک، وہ مردودِ خُدا تھے
آرام کے بھی لفظ کے سب حرف جُدا تھے

تھے قطرۂ خوں رشتۂ جوہر میں نہ زنہار
شمشیرِ ظفر پھولوں کے پہنے ہوئے تھی ہار
ہر دلرپہ تحسیں کی سزاوار تھی تلوار
گردوں میں جو چپتی تھی، کھلا ہم پہ یہ اسرار
سرکارِ الٰہی سے بُرِش کے یہ صلے تھے
نو پارچے افلاک کے خلعت میں ملے تھے

گر چار ہوا تیغِ دو سر سے کوئی سردار
اُس پنج تمنی نے مع ہمزاد کیا چار
یہ کاٹ کے معنی ہیں ہمّے کہتے ہیں تلوار
لشکر کے جوانوں کو مُسن کر دیا اک بار
دو چھتے سن و سال کیے اہلِ ہوس کے
جو بیس برس کے تھے، ہوئے ساٹھ برس کے

چھائی جو سرِ دست یہ صمصام کی بدلی
رُت پھر گئی، رنگت سپہِ شام کی بدلی
بدلی نے ہوا گردشِ ایّام کی بدلی
غل تھا کہ نگہ کفر سے اسلام کی بدلی
مقتل میں یہ حالت ہوئی بے دادگروں کی
پڑنے لگی بوچھار جہنّم میں سروں کی

برسی جو یہ صمصام تو لشکر ہوا فانی
تلوار کے پانی پہ ہوئی فاتحہ خوانی
مقتل میں عوض خون کے بہنے لگا پانی
اللہ رے صمصامِ قضا دم کی روانی
بھاری تھے زرہ پوش، مگر وہ بھی بہے تھے
آبِ دمِ شمشیر میں سر پھیر رہے تھے

اُس فوج کے بڑھنے سے، گھٹا علقمہ کا گھاٹ — بولی یہ ظفر، نہر کو بھی ناریوں سے پاٹ
کیا تیغ تھی، کیا آب تھی، کیا دھار تھی، کیا کاٹ — کُشتے بہت اور بہرِ کفن نہر کا اک پاٹ
جو رنگ تھا مرجاں کا، وہ موتی کو دیا تھا
دریا کا لہو پانی تمام ایک کیا تھا

سب ناریوں کو خوف نے دریا میں گرایا — اس تیغ نے طوفان قیامت کا اُٹھایا
گرداب میں ہر کشتیِ تن کو تو پھنسایا — روحوں کو مگر راستہ دوزخ کا بتایا
موتی یہ ڈرے تیغِ شہنشاہِ نجف سے
خود دامنِ نیساں میں چھپے اُڑ کے صدف سے

گرنے سے پھریروں کے، ہر اک موج بھری تھی — خودوں سے بہارِ چمنِ نیلوفری تھی
تھی غرق بہ خوں تیغ، پہ زینت سے بھری تھی — بُرّش کی صفائی تھی کہ اعجاز گری تھی
دریا سے اٹھی خون بہا کر وہ عدو کا
پانی سے نہ پھیلا کوئی دھبا بھی لہو کا

ہر ایک پرا، ہو کے پراگندہ پکارا — جاں بخش، اماں بخش، نبی زادے، خدا را!
شمشیر کو روکا، کیا قتل اپنا گوارا — نیزہ کسی ظالم نے دلِ پاک پہ مارا
اتنا تو کہا، کیوں یہی احساں کا صلا تھا؟
پھر بند تھی آنکھ اور گلِ زخم کھلا تھا

ہاتھوں سے جگر تھام کے اکبر یہ پکارے — اے قبلۂ حاجات میں قربان تمہارے
جلد آیئے یا شاہ کہ ہوں گور کنارے — چلّائے شہِ دیں کہ ابھی آیا میں پیارے
اے جانِ پدر! یہ تو کہو، زخم کہاں ہے
آئی یہ ندا، عین کلیجے میں سناں ہے

آواز پہ اکبر کی، علی کا پسر آیا | کس مہر سے خورشید، قریبِ قمر آیا
پر ضعفِ بصارت سے نہ لاشہ نظر آیا | تھرّا کے گرے خاک پہ، مُنہ کو جگر آیا
چلّانے لگے ڈھونڈھ کے ہاتھوں سے، کدھر ہو؟
اے روشنیِ چشم! اِدھر ہو کہ اُدھر ہو؟

تھا ضعف، پہ اکبر نے شہِ دیں کو پکارا | مولا! اِدھر آپ آئیں، یہ خادم ہے تمہارا
ٹھہرائیں ذرا دل کو حضور اپنے خُدارا | لاشہ نظر آتا نہیں حضرت کو ہمارا
سب رنج تو تھے، ضُعفِ بصارت ہوا کب سے؟
شبّیر پکارے کہ جُدا تم ہوئے جب سے

بینائی کو کیا پوچھتے ہو، جان نہیں ہاے | ایسا نہیں داغ آپ کا جو باپ نہ مر جائے
اللہ کو معلوم ہے جس طرح یہاں آئے | اب اور جو ارشاد کرو، باپ بجا لائے
کی عرض کہ دامن سے مرا زخم چھپا دو
امّاں مری جیتی ہوں تو لے چل کے دِکھا دو

پھر رو کے کہا، ہاے بہن فاطمہ صغرا! | تم نے نہ ہمیں دیکھا، نہ ہم نے تمہیں دیکھا
دل بند کی حالت پہ ہوا دل تہ و بالا | سیدانیوں میں لے چلے بِن بیاہے کو آقا
اکبر کو تو معراج تھی دوشِ شہِ دیں پر
پر، پانو لٹکتے ہوئے آتے تھے زمیں پر

بانو عقبِ پردہ کھڑی کرتی تھی زاری | یہ دیکھتے ہی آلِ پیمبر کو پکاری
سر ڈھانپ لو، آئی مرے بیٹے کی سواری | چلّا کے نہ روئے کوئی، میں صدقے میں واری
ہے ہے، نہ کہیں اور مقدّر مرا بگڑ جائے
ڈیوڑھی سے خفا ہو کے نہ اکبر مرا بگڑ جائے

ناگاہ اُٹھا پردہ درِ آلِ عبا کا خیمے میں ہوا داخلہ شاہِ شہدا کا
جس فرش پہ دم نکلا تھا محبوبِ خدا کا اُس دم وہی بستر ہوا اُس ماہ لقا کا
طاقت نہ رہی ضبط کی زینب کے جگر کو
مُنہ دیکھ کے، زانو پہ رکھا پیار سے سر کو

اکبر نے اشارہ کیا، آنسو نہ بہاؤ اللہ کو اب یاد کرو، ہم کو بھلاؤ
اماں جو نہ غش میں ہوں تو یاں اُن کو بلاؤ زینب نے کہا، بھابی کدھر ہو، اِدھر آؤ
اِس وقت بھی دم آپ ہی کا بھرتے ہیں اکبر
جلد آؤ یہاں، یاد تمھیں کرتے ہیں اکبر

آواز دی بانو نے، میں اس یاد کے قربان پھر پوچھا نبی زادیوں سے ہو کے پریشان
آنکھوں سے مجھے کچھ نظر آتا نہیں اِس آن آزردگیِ اکبرِ مظلوم کا ہے دھیان
مجھ کو نہیں معلوم کہ حالت مری کیا ہے
نعلیں مرے پانو میں ہے، سر پہ ردا ہے؟

سیدانیاں لے آئیں ردا سر پہ اڑھا کر سرکا ہوا تھا سر سے مگر گوشۂ چادر
مُنہ پھیر کے غیرت سے تڑپنے لگے اکبر کچھ کان میں زینب کے کہا، بولی وہ ششدر
کہتے ہیں کہ میدان سے ناحق میں گھر آیا
مرتے ہوئے اماں کا کھُلا سر نظر آیا

بھابی! جو کہیں یہ، وہ کرو ان کو مناؤ سر اچھی طرح ڈھانپ لو تو سامنے آؤ
اِک آن کے مہمان ہیں، غصہ نہ دلاؤ زخمی ہے جگر نیزے سے، تم دل نہ دکھاؤ
بعد ان کے، خبر کون بھلا آپ کی لے گا
بلوے میں ردا مانگو گی، اور کوئی نہ دے گا

بانو نے کہا، دیکھیے تو آپ اِدھر کو — لو چھوڑ دیا ہاتھ سے اب زخمِ جگر کو
اب کس کے منانے کے لیے ڈھانپوں میں سر کو — گھر لُٹتا ہے، ہے ہے میں نکل جاؤں کدھر کو
غصّے کی نگاہیں ہیں، نہ وہ پیار کی آنکھیں
پتھرا گئیں ہے ہے مرے دلدار کی آنکھیں

سر آپ کے زانو سے سرکتا ہے، دُہائی — منکا مرے بچے کا ڈھلکتا ہے، دُہائی
دم سینے میں بے طرح اٹکتا ہے، دُہائی — سب روتے ہیں، کچھ ہو نہیں سکتا ہے دُہائی
گھبرائے ہوئے نامِ علی لیتے ہیں اکبر
کیوں کھنچ کے ہاتھوں کو جھٹک دیتے ہیں اکبر

فردوس کے پھولوں سے مہکتا ہے جو سب گھر — گُلدستہ سُنگھاتی ہے اجل اُن کو مقرّر
کیوں پانو سمیٹے مرے پیارے نے لرز کر — کیا قبلے کی جانب سے ہوئی آمدِ حیدر؟
تعظیم کی طاقت جو نہیں پاتے ہیں اکبر
کیوں کہنیوں کو ٹیک کے رہ جاتے ہیں اکبر

اتنے میں کیا اکبرِ غازی نے تبسّم — اور شیر کے نعرے سے ہوا شورِ تلاطُم
بانو نے کہا، یوسفِ شبیر ہوا گم — کیوں شیرِ خدا! لے چلے بیٹے کو مرے تم
اِس کوکھ جلی کی تو نہ فریاد کو پہنچے
دم توڑتے ہیں پوتے کی امداد کو پہنچے

پھر دیکھ کے مُنہ مُردے کا، زینب کو پکارا — گویا کہ ہنسا چاہتا ہے لال تمھارا
دیکھو مری خاطر سے بھلا نبض دوبارا — آئینہ رکھو سامنے منگوا کے خدا را
بی بی! کہیں سکتہ تو نہ اکبر کو ہوا ہو
پڑھ کر کلمہ یہ ابھی اٹھ بیٹھیں تو کیا ہو

یوں مردے کے ماتھے کو چمکتے نہیں دیکھا پھولوں کو خزاں ہو کے، مہکتے نہیں دیکھا
اِس حُسن کے منکے کو ڈھلکتے نہیں دیکھا یُوں زلفوں کو بل کھا کے لٹکتے نہیں دیکھا
تھا زیست میں کیا حُسن، جو اِس آن نہیں ہے
رو کر کہا زینب نے، فقط جان نہیں ہے

پھر لاش سے لپٹی کہ میں قرباں علی اکبر! رخصت نہ ہوئے، ہو گئے بے جاں علی اکبر!
اٹھارہ برس کے مرے مہماں علی اکبر! دنیا سے اٹھے آج پُر ارماں علی اکبر!
جی کھول کے اب روؤں جو پیارے کی رضا ہو
ڈرتی ہوں کہیں زوج تمہاری نہ خفا ہو

اَحسنتَ دبیر! اب تو سخن ہے ترا اعجاز ہر مصرعِ موزوں، دُرِ مکنوں سے ہے ممتاز
اوروں کی ہے نظم اور، کہاں سوز کہاں ساز اب ثنیۂ حضرتِ عباس کر آغاز
سینے میں ترے سوز ہے اکبر کے الم کا
عباسِ علمدار سے ہے سایہ علم کا

پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی　　پنہاں درازیِ پرِ طاؤسِ شب ہوئی
اور قطعِ زلفِ لیلیِ زہرہ لقب ہوئی　　مجنوں صفت قبائے سحر چاک سب ہوئی
ذکرِ رفو تھی چرخِ ہنرمند کے لیے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لیے

فرہاد وضع، تیشہ (ملے) دوراں نے ایک مار　　اس کوہِ بے ستونِ فلک پر کیا قرار
فوراً لگا کے تیشۂ خورشیدِ زرنگار　　کی جوئے شیرِ صبح، سیاہی سے آشکار
پر، شیر خوارِ آلِ پیمبر تڑپ گئے
منہ کھولا، دودھ مانگا اور اصغر تڑپ گئے

نکلا افق سے عابدِ روشن ضمیرِ صبح　　محرابِ آسماں ہوئی جلوہ پذیرِ صبح
کھولا سپیدی نے جو مُصلّائے پیرِ صبح　　پھر سجدہ گاہ بن گیا، مہرِ منیرِ صبح
کرتی تھی شب، غروب کا سجدہ وَدود کو
سیارے ہفت عُضو بنے تھے سُجود کو

یوسف غریقِ چاہِ سیہ ناگہاں ہوا　　یعنی غروبِ ماہِ تجلّی نشاں ہوا
یونس دہانِ ماہیِ شب سے عیاں ہوا　　یعنی طلوعِ نیّرِ مشرق ستاں ہوا
فرعونِ شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور یدِ بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا فلک کا وہ جَیبِ دریدہ تھا — یا چہرۂ مسیح کا رنگِ پریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشکِ چکیدہ تھا — یا فاطمہ کا نالۂ گردوں رسیدہ تھا
کیسے نہ مہر، صبح کے سینے پہ داغ تھا
امّیدِ اہلِ بیت کا گھر بے چراغ تھا

روزِ سفید، یوسفِ آفاقِ شب نقاب — مغرب کی چاہ میں تھا جو اُفتادہ زیرِ آب
سقّائے آسماں نے لیا دَلوِ آفتاب — اور ریسمانِ شعاع کی باندھی بہ آب و تاب
یوسف کو دَلوِ مہر میں بٹھلا کے چاہ سے
کھینچا دیارِ شرق میں، مغرب کی راہ سے

سایہ جہاں جہاں تھا، وہاں نور ہو گیا — پھر مشکِ شب جہان سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئنے سے دور ہو گیا — باطل رسالۂ شبِ دیجور ہو گیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے میں
مضموں تھا آفتاب کا، ذرّوں کے نامے میں

کھولے ہوا میں طائرِ زرّیں نے بال و پر — بیٹھا وہ آکے چرخِ چہارم کے بام پر
دانے ستاروں کے جو پڑے تھے اِدھر اُدھر — منقارِ زر میں چن لیے اُس نے وہ سر بہ سر
پھر میہمانِ چشمۂ مہتاب ہو گیا
چشمہ تو خشک اور وہ سیراب ہو گیا

پر، تھا ہمائے اوجِ سعادت، شکستہ بال — جز اشک، آب و دانے کا تھا دیکھنا محال
تھا پیاس سے سکینہ و اصغر کا ایک حال — مُنہ زرد، ہونٹھ نیلے، زباں سوکھی، آنکھیں لال
وہ دودھ دودھ کہتا تھا رو رو کر اشارے سے
یہ پانی پانی کہتی تھی زہرا کے پیارے سے

تھے خرمنِ فلک پہ ابھی دانہ، نجوم — بونے لگا جو تخمِ ستم ابنِ سعدِ شوم
غلّے کے بانٹنے کو ندا دی علی العموم — مانندِ مور، دانہ زدوں نے کیا ہجوم
جس کا کہ باپ قاسمِ رزقِ زمانہ تھا
ہفتم سے کربلا میں وہ بے آب و دانہ تھا

رومال ظالموں نے زمیں پر بچھا دیے — حصّے عمر نے سب کے برابر لگا دیے
اور افسرانِ فوج کو حصّے سوا دیے — اور سربہ مُہر مہرۂ زر بھی دکھا دیے
لب کھولے حیلہ ور کی عداوت کے جوش نے
گندم نمائی آہ کی یوں جَو فروش نے

سجّادے پر مکیں تھے امامِ فلک مکاں — تقسیمِ غلّہ کا جو سُنا حال ناگہاں
ارزاں دیا رفیقوں کو وہ غلّۂ گراں — جس غلّۂ گراں کے تھے نو دلائے آسماں
گندم کے بدلے، جنّتِ آدم میں گھر دیا
گھر کیسا، کائنات کا مختار کر دیا

واں غلّہ دے کے سب سے مخاطب ہوا عمر — کھا لو کہ اب غذا نہ ملے گی کئی پہر
اِس جنگ میں ہراس و تردّد ہے سربسر — ایماں کا نقص، جان کا خوف، آبرو کا ڈر
امّت سے سامنا ہے امامِ جلیل کا
کاٹا ہے جس کے باپ نے پَر جبرئیل کا

بڑھ کر عمر سے کہنے لگے بانیِ ستم — اپنی تو یہ غذا ہے کہ بھوکے رہیں حرم
نوفل پکارا، سیر ہیں آب و غذا سے ہم — کھائی ہے آج قتلِ علم دار کی قسم
چلّایا شمر، ہم تو اُسی وقت کھائیں گے
جب تین دن کے پیاسے کا سر کاٹ لائیں گے

بولا عمر کہ بیٹھو، یہ باتیں روا نہیں — دعوائے بے سند سے تمھیں کچھ حیا نہیں
منہ کا نوالا، شیروں کا سر کاٹنا نہیں — رستم بھی بھوکا پیاسا مہینوں لڑا نہیں
اُترے نہ ہوتے تم جو لبِ نہر چین سے
اُس وقت دیکھتا میں کہ لڑتے حسینؑ سے

یہ جو کہا عمر نے، وہ چپکے چلے گئے — بے عقل، نقدِ دیں، عوضِ جنس دے گئے
سیّد کے قصدِ ذبح پہ سب غلّہ لے گئے — اور یاں عمر کے اسپِ عراقی کسے گئے
چیدہ کیے عمر نے سلح کارزار کے
خادم لے آئے چرخ سے تیغیں اتار کے

سجنے لگا سلاحِ دغا پھر وہ پُردغا — بے خود ہوا، جو خود، سرِ نحس پر دھرا
بے ماہ و آفتاب کے گویا گہن لگا — یا دارِ قد پہ کفر کا بختِ سیہ چڑھا
اسلام میں جو ڈالے تھے رخنے یزید نے
اُن رخنوں کو کیا زرہِ تن، پلید نے

پھر زہر کے بجھے ہوئے خنجر طلب کیے — اپنے ملازموں پہ وہ تقسیم سب کیے
سامانِ میہمانیِ شاہِ عرب کیے — ٹکڑے نبیؐ، علیؑ کے جگر، بے سبب کیے
مانگا شقی نے توسنِ زرّیں لجام کو
کھا پی کے فوج بھی ہوئی حاضر سلام کو

کثرت پہ فوج کی ہوا نازاں وہ خود پرست — بولا کہ اپنی فتح ہے، شبّیرؑ کی شکست
پہلے کیا فرات کا ظالم نے بندوبست — بٹھلائے دس ہزار زرہ پوش تیر دست
دیوارِ آہنی لبِ دریا بلند کی
دریا نے، بانگِ ہائے حسینا، بلند کی

گھاٹوں کو روک کر یہ پکارا کہ ہاں سُنو   بے آبرو کروں گا، نہ مانے گا حکم جو
پائیں نہ ایک قطرہ شہنشاہِ نیک خو   میّت کے غسل کو، نہ وضو کو، نہ پینے کو

جاں بر نہ تشنگی سے امامِ حجاز ہو
خشکی میں غرق فوجِ حرم کا جہاز ہو

اور ستّرہ ہزار سوارانِ نیزہ دار   قومِ اسد کے گھیرنے کو بھیجے ایک بار
یعنی بنی اسد، اسد اللہ پہ ہیں نثار   ایسا نہ ہو کہ آئیں سوے شاہِ بے دیار

ان سے جُدا حسین رہیں، وہ حسین سے
ہم سیدوں کو ذبح کریں رن میں چین سے

چیدہ کیے ہزار جوانانِ ناخلف   اس عہدے پر کیا انھیں منصوب ہر طرف
ساغر بہ کف رہیں وہ تنک ظرف صف بہ صف   جب العطش کہے دُرِ پاکِ شہِ نجف

پانی اُنھیں دکھا کے، یہ بے آبرو بہائیں
اِس پر بھی پانی مانگیں، تو اُن کا لہو بہائیں

چالیس سو پھر اُس نے کماں دارِ روسیاہ   بٹھلائے چار گوشوں میں گردِ خیامِ شاہ
رکھا نہ سیدوں کے لیے گوشۂ پناہ   روحِ بتول کہتی تھی رو رو کے "آہ آہ!

جلّاد، لاکھ تیغوں سے اک سر اتاریں گے
ناچار کر کے یہ مرے بچّے کو ماریں گے"

القصّہ بندوبست یہ جب کر چکا عمر   انعام دے کے پیکوں سے بولا وہ بد گہر
ہاں اب گھڑی گھڑی کی مجھے لا کے دو خبر   نکلیں اُدھر حسین تو ہو صف کشی اِدھر

سنتا ہوں آن بان پہ سادات مرتے ہیں
دیکھوں تو مورچے کہاں شبّیر کرتے ہیں

جب صبحِ بے ردائیِ زینب عیاں ہوئی اور آخری سپاہِ خدا میں اذاں ہوئی
ناموسِ مصطفیٰ میں بپا یہ فغاں ہوئی بس اب بہارِ گلشنِ زہرا، خزاں ہوئی
کانپے گا عرش فاطمہ کے شور و شین سے
جس دم وداع ہوئیں گی زینب، حسین سے

شب خوں ابھی نہ روز نے مارا تھا رات پر جو اہلِ شام بیٹھ گئے یاں فرات پر
بلوہ کیا عدو نے شہِ نیک ذات پر ظلمت محیط ہو گئی آبِ حیات پر
شب کیا گئی، نصیب کا کچھ پھیر ہو گیا
ہوتے ہی صبح، خیمے میں اندھیر ہو گیا

کھینچوں مُرقعِ سحرِ شاہِ خاص و عام جس کے حضور، صبح عمر کی ہے، عینِ شام
واں تو یہ دھوم دھام تھی اور یاں خدا کا نام تسبیحِ فاطمہ ہی ابھی پڑھتے تھے امام
یاں ذکرِ حق کا، اور وہاں کلمہ غرور کا
واں جادہ نار کا، یہاں سجادہ نور کا

کیا رو سفید فوجِ خدا ہے حضورِ صبح آئی ہے ان کے عقدِ عبادت میں حورِ صبح
رُخ سے طلوعِ مہر، جبیں سے ظہورِ صبح اِک سمت ان کا نور ہے، اک سمت نورِ صبح
سر سجدے میں، بدن ہیں قعود و قیام میں
کیا صبح کی بہار ہے فوجِ امام میں

آوازِ اُرکبو جو ملائک سناتے ہیں غازی، نماز پڑھ کے مُصلّے اٹھاتے ہیں
تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں سجدے کو آستانۂ مولا پہ آتے ہیں
در پر دھرے جبینوں کو سب خوش خصال ہیں
اک آسماں ہے اور بہتّر ہلال ہیں

بختِ جوانِ پیرِ فلک، ہر جوان ہے — حلم اُن کا ہے مزاج، صداقت زبان ہے
ہمت انھی کے ہاتھ کا اک استخوان ہے — نورِ خدا بدن ہے، حسینؑ اُن کی جان ہے
فردوس اُن کا خُلق ہے، نار اُن کا خشم ہے
ایمان اُن کا دِل ہے، حیا اُن کی چشم ہے

لشکر میں ہے یہ اکبر و عباس کا وقار — وہ انجمن میں شمع، تو یہ باغ میں بہار
آنکھوں میں وہ نگاہ، تو یہ سینوں میں قرار — وہ بازوؤں میں زور، یہ قبضے میں ذوالفقار
اُن دونوں کی یہ فوجِ خدا میں مثال ہے
دریا میں وہ گہر ہے، یہ معدن میں لال ہے

وہ چشم ہے پلک میں، تو یہ دل ہے سینے میں — حیدر وہ کعبے میں، یہ پیمبر مدینے میں
یوسف وہ خطبے میں، یہ سکندر نگینے میں — آبِ بقا وہ چشمے میں، یہ زر خزینے میں
وہ آب موتیوں میں، یہ اک گل ہزاروں میں
خوشبو وہ پھولوں میں، یہ تجلی ستاروں میں

عباس سے یہ کہتے ہیں اکبر کہ کیوں چچا! — کیا ہوگا، گرد خیمے کے ہے لشکرِ جفا
اماں کے پردے کا مجھے اندیشہ ہے بڑا — باندھیں گے اپنا مورچہ ہم واں دمِ دغا
خیمے سے فاصلہ، نہ پدر سے جدائی ہو
یہ طور ہو اگر تو بہ خوبی لڑائی ہو

ماں نے کہہ دیا ہے کہ بخشوں گی میں نہ شیر — جیتے ترے، امام کو نیزہ لگا کہ تیر
حافظ رہوں گا باپ کا میں وقتِ دار و گیر — لیکن غضب ہے، والدہ گر ہو گئیں اسیر
خیر، اب تو دامنِ شہِ خوش خُو نہ چھوڑیں گے
جو ہو سو ہو، حُسینؑ کا پہلو نہ چھوڑیں گے

عباسؑ مدح کرتے ہیں گردن ہلا ہلا　　زینبؑ کے پالنے کی یہ غیرت ہے، میں فدا
وہ پوچھتے ہیں، آپ کہیں، ہے ارادہ کیا　　یہ ہاتھ مُنہ پہ پھیر کے کہتے ہیں، دیکھنا
جینے سے ہاتھ دھوتے ہیں مرد اپنی بات پر
اپنا تو آج مورچہ ہوگا فرات پر

باگیں پکڑ کے کہتے ہیں زینبؑ کے یادگار　　اک حملے میں سمند ہیں اپنے بھی پلّے پار
ابنِ حسنؑ کے حُسنِ بیاں سے ہے آشکار　　ازرق کا زرق برق مٹا دوں، تو ہو قرار
دعوے ہیں آج حیدریوں کو بڑے بڑے
چاہیں تو غرب و شرق کو لے لیں کھڑے کھڑے

کیوں کر نہ شیر ہوں خلفِ شیرِ کبریا　　سیدانیوں کا دودھ ہے ان پیاسوں نے پیا
دو دن سے ایک لقمہ تنا دل نہیں کیا　　لیکن وہی ہے چہروں کی سرخی، وہی ضیا
سادات ہر ایک حال میں خوش حال رہتے ہیں (کذا)
کھائیں نہ کھائیں، شیر دل کے مُنہ لال رہتے ہیں

مُصحف نسب یہ رُخ ہیں تو گیسو ہیں مشک بار　　شیرازے کی طرح سے ہیں قرآں کے رشتے دار
جلدِ کتابِ رُخ کی نزاکت پہ میں نثار　　خط ہے کہ جلد سے خطِ مُصحف ہے آشکار
دُرجِ دہن کے، دانتوں سے رتبے زیاد ہیں
یہ وہ صدف ہے، جس کے گہر خانہ زاد ہیں

اور زلف حلقہ ہے آرام کی جگہ　　ظلمت میں جیسے خضرِ خوش انجام کی جگہ
اِس لام کا ہے دائرہ، اسلام کی جگہ　　یعنی علیؑ کے دل میں ہے اِس لام کی جگہ
یہ زلف و رخ، وہ دفترِ قدرت نگار ہیں
اِک فرد اسی رسالے کے لیل و نہار ہیں

سینے، نگینِ خاتمِ ایجادِ کبریا
کندہ ہے اُن پہ نقشِ غلامیِ مُرتضا
زیرِ نگیں ہے دل کی طرح کشورِ وفا
ہیں اُن کے حوصلے پہ فدا، زور پر فدا
دشمن پہ ہاتھ چلتے ہیں، صمصام کی جگہ
سینہ سپر ہیں مثلِ نگیں، نام کی جگہ

کیا پیرہن کی زیب ہے، کیا اسلحہ کی سج
چار آئنہ ہے صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج
سیدھی نہیں کسی سے بہ جز فتح، تیغِ کج
قامت ہے خم، پہ چلنے میں مطلق نہیں حرج
جوہر، ہنر یہ تیغ کے، قرآں اٹھاتے ہیں
قبضے پہ مدّعی، قسمِ راست کھاتے ہیں

اُن کے عقابِ تیر کا ہے مرغِ جاں شکار
طائر کوئی اڑے نہ مع شاخ زینہار
پر ہُدہُدِ خدنگ ہیں اُن کے وہ زوردار
اُڑتے ہیں پھل بھی، شاخ بھی، ساتھ ان کے بار بار
تا پیش و پس نہ آئے عدو قصدِ کُشت پر
اک چشم تیر آگے ہے، اک چشم پُشت پر

باندھے کمر جہاد پہ خود لیس ہے کماں
غصّے سے ایک پوست ہے بالائے آسماں
اِس قوس کی ہے، قوسِ فلک دل سے مدح خواں
نیزے سے، نیزہ بازِ فلک طالبِ اماں
اِس نیزے سے مباحثے کی کس کو تاب ہے
گویا زباں کی طرح یہ حاضر جواب ہے

دریادلوں کے گھوڑے ہیں، یا کشتیِ رواں
کشتی کا نقشِ پا نہیں پانی کے درمیاں
اِن تازیوں کے سم کا زمیں پر نہیں نشاں
انجیل میں ہے اُن کی فضیلت کا یہ بیاں
قطرہ عرق کا خشک نہ ہو راہ داروں کا
جو داخلہ بہشت میں ہوگا سواروں کا

طاؤس اُن کا جلوہ ہے، کبک اُن کا ہے خرام
شیر اُن کا پنجہ، اور ہرن چشم مُشک فام
حور اُن کی پتلیاں میں، پری ہے پلک کا نام
بجلی بدن ہے اُن کا، شرر ہیں رگیں تمام
سیماب ہے پسینا، نسیم اُن کی جان ہے
رعد اُن کا ایک نعرہ ہے، شعلہ زبان ہے

ناگاہ خیمہ گاہ سے شورِ بُکا اُٹھا
سجّادے سے نمازیِ خیرُالنسا اُٹھا
اور سبز پردۂ درِ آلِ عبا اُٹھا
آواز آئی بانو کی، وارث مرا اُٹھا
راضی سکینہ جان یتیمی پہ ہو گئیں
پچھلے سے جاگتی رہیں، اس وقت سو گئیں

خدّام تازیِ شہِ والا کو در پہ لائے
مولائے حُلّہ پوش، کفن پہنے باہر آئے
اور چشم سے رکاب نے دونوں قدم لگائے
زینب پکاری، ہائے حُسینِ غریب، ہائے
میکاؔل روئے، روحِ امیں نالہ کش ہوئے
سامانِ موت پر ملک الموت غش ہوئے

جنگاہ میں صفیں جو بندھیں فوجِ شام کی
ہر تیغ زن کو فکر ہوئی ننگ و نام کی
خیمے کے در پہ آئی سواری امام کی
مسند الٹ دی موت نے خیرُالانام کی
تاریک چشمِ اہلِ حرم میں جہاں ہوا!
زہراؔ کا چاند، لے کے ستارے رواں ہوا

مثلِ نسیمِ صبح، سواری رواں ہوئی
پھولوں کو لے کے فصلِ بہاری رواں ہوئی
یا فوج قدرتِ باری رواں ہوئی
زینب پکاری، جان ہماری رواں ہوئی
باغوں میں گل، زمین کے پردے سے آتے ہیں
اماں کے پھول، خاک میں ملنے کو جاتے ہیں

قبروں کے واسطے جو خریدی تھی کچھ زمیں — ٹھہری وہاں سواریِ شاہِ فلک نشیں
لشکر کو اپنے دیکھ کے بولے امامِ دیں — لے کربلا، خدا نے دیے تجھ کو یہ مکیں
سب شیرِ حق کے لال ہیں، زہرا کے پیارے ہیں
دُرِّ نجف ہیں، عرشِ معلّا کے تارے ہیں

کہتے تھے کربلا سے یہ سلطانِ کربلا — جو مثلِ سیل، خیلِ جفا قہر سے بڑھا
صف باندھنے لگا عمرِ سعدِ بے حیا — مختار اُس نے میمنہ کا شیث کو کیا
چُن چُن کے نیزہ دار بھی چالیس سو دیے
وہ وارِ گرم رَو دیے، ملبوسِ نَو دیے

ازرق کو تیر زن دیے پنجاہ صد جدا — کی اُس نے زیبِ میسرۂ لشکرِ جفا
اور دے کے دس ہزار جوانانِ پُر دغا — سونپا جناح، حنظلہ کو اُس نے برملا
مل کر گلے نبیؐ و علیؑ رن میں روتے تھے
اک سر کے کاٹنے کے یہ سامان ہوتے تھے

فرزند اُس کا حفص تھا جو ننگِ اشقیا — رہوارِ نقرہ، خلعتِ زرّیں اُسے دیا
اور اُس کے سر کی تاجِ مرصّع سے کی ضیا — لشکر کے قلب میں، دَلّہ القلب کو کیا
بخشی حکومت اُس کو سوار و پیادہ کی
اور بیرقِ معاویہ سر پر کُشادہ کی

وہ کافروں کی صف تھی کہ دیوارِ حرب گاہ — یا دیکھ کر حسینؑ کے لشکر کا عزّ و جاہ
بہرِ گریز، رَن سے اُٹھی تھی سمٹ کے راہ — دیوار تھی، نہ راہ تھی، نہ وہ صفِ سپاہ
طغرا نویسِ دہر نے قدرت دکھائی تھی
سطرِ غلط زمیں کے ورق سے اُٹھائی تھی

صف باندھ کر پسر سے مخاطب ہوا عمر　　اکبر امام زادے ہیں، اور تو مرا پسر
اپنا خشم دکھا اُنھیں پھر کر اِدھر اُدھر　　سرداروں کو پکارا کہ اے صاحبِ ہنر
فوجِ خدا کے سامنے جاؤ، رجز پڑھو
گھوڑے اُٹھاؤ، نیزے ہلاؤ، رجز پڑھو

پہلے پرے سے شیث نے گھوڑا بڑھا دیا　　اک تیر چل کے، نیزے کا جوہر دکھا دیا
قاسم کو دیکھا شاہ نے اور سر جھکا دیا　　نوفل نے بھی سمند سوئے شہ بڑھا دیا
بولے حسین، بندِ کمر ٹوٹا جاتا ہے
دیکھو جوانو! قاتلِ عباس آتا ہے

پلّا دکھایا حرملہ نے بڑھ کے تیر کا　　شہ روئے یاد کر کے تڑپنا صغیر کا
چمکا جو بھالا ہلنے میں ابنِ نمیر کا　　شق ہو گیا کلیجا رسولِ قدیر کا
بے چین دل کے درد سے ہونے لگے حسین
اکبر کا سینہ چوم کے، رونے لگے حسین

نکلا تڑپ کے شمرِ لعیں فوجِ شام سے　　بولا ملا کے آنکھیں سپاہِ امام سے
کس درجہ بغض ہے کسی پیاسے کے نام سے　　نکلا ہی پڑتا ہے مرا خنجر نیام سے
اِن دو فنوں میں شمر ہے یکتا زمانے میں
سینے پہ پانو رکھنے میں، خنجر پھرانے میں

مولا نے مسکرا کے فلک پر نگاہ کی　　اور داہنی طرف سے صدا آئی آہ کی
سب نے کہا، فغاں ہے کسی دادخواہ کی　　رو کر حسین بولے، جو مرضی الٰہ کی
خنجر سے اُس کے، خیرِ نسا ذبح ہوتی ہے
قاتل کو میرے دیکھ کے، ماں میری روتی ہے

ناگہ رواں ہوا پسرِ سعد کا پسر — ہمرہ رفیق، یار، جلو میں ادھر اُدھر
ہاتھوں پہ خادم آگے لیے تیغ اور سپر — اور اک غلام کھولے ہوئے سر پہ چترِ زر
یوں رد ہوا وہ اکبرِ ذی شاں کے سامنے
فرعون جیسے موسیٰ عمراں کے سامنے

مل کر حسینیوں نے کہا، اے شہِ اُمم — اب کب تلک سکوت کرے رکتا ہے اپنا دم
قرنا بجایا چاہتے ہیں بانیِ ستم — یاں صف کشی، نہ مورچے، نہ طبل، نہ علم
اب ضبط، اے وزیرِ یداللہ، قہر ہے
شیروں کے منہ پہ چڑھتے ہیں روباہ، قہر ہے

شہ بولے، کیا ارادہ کریں صف کشی کا ہم — واں سیکڑوں بشر، نئے پنچے، نئے علم
یاں دوست کیا، عزیز بھی کم، زندگی بھی کم — مظلوم کھائیں گے مری مظلومی کی قسم
ہر سال تازہ ہوگا محرم میں غم مرا
رہنے دو اب اٹھائیں گے شیعہ علم مرا

ناگہ ندا یہ آئی کہ اے شاہِ کربلا! — گر اُس طرف بشر ہیں، تو تیری طرف خدا
ہاں جلد اب منگا علمِ فوجِ کبریا — باندھے پرا کھڑے ہیں زیارت کو انبیا
کس بیرق و نشاں نے بزرگی یہ پائی ہے
تیرے علم کے سایے میں میری خدائی ہے

عباسِ نامور کو پکارے شہِ اُمم — ہاں اے نشانِ شیرِ خدا! لاؤ تو علم
خاطر نشاں رکھو کہ تمہیں کو وہ دیں گے ہم — عباس خیمے میں گئے خوش خوش بہ صد حشم
کیا دیکھتے ہیں وہ کہ فراقِ حسین سے
خیمے میں رو رہا ہے علم شور و شین سے

غازی نے چوب اٹھائی جو لے کر علیؑ کا نام　　آئی صدا عَلَم سے کہ عبّاسؑ! السلام
اس منصبِ جلیل کا تجھ پر ہے اختتام　　خوں سے ترے بھرے گا پھریرا مرا تمام
نہ فوج، نہ جلوس، نہ دربار ہوئے گا
اس گھر میں اب نہ کوئی عَلَم دار ہوئے گا

القصّہ، لے کے رایتِ شاہِ اُمم چلے　　جنّت کو سیدھے، چوبِ عَلَم کر کے خم، چلے
اور ہاتھ میں پھریرا اُٹھائے حرم چلے　　گودی میں بچے لے کے بہ زیرِ عَلَم چلے
زینبؑ پکاری، شاہِ نجف یاد آتے ہیں
کس شان سے عَلَم لیے عبّاسؑ جاتے ہیں

یارب! نشان والے کا نام و نشاں رہے　　یہ شمس، بے زوال، یہ گُل، بے خزاں رہے
لشکر رہے، حُسینؑ رہے، یہ نشاں رہے　　اس حاملِ عَلَم پہ علیؑ کی اماں رہے
روشن رہے قمر شہِ بدر و حُنینؑ کا
وہ خاک میں ملے جو ہو دشمن حُسینؑ کا

بڑھ کر سکینہ بولی، ذرا منہ اِدھر پھراؤ　　پیاسوں کو اِس عَلَم کی خوشی میں نہ بھول جاؤ
بابا تو کچھ خفا ہیں، تمھی مجھ پہ رحم کھاؤ　　اچھے مرے چچا! ابھی دریا سے پانی لاؤ
ایسا نہ ہو کہ جا کے فراموش کیجیے
اپنے عَلَم میں مشک مری باندھ لیجیے

چمکا نکل کے خیمے سے جو پنجۂ عَلَم　　دن کو دکھائے پانچ ہلال ایک جا بہم
ہر اک کی انگلیاں سوئے پنجہ ہوئیں عَلَم　　غُل تھا، وہ نکلا رایتِ پیغمبرِ اُمم
افسوس، مُصطفیٰ کے عَلَم دار مر گئے
شیرِ خدا و حمزہ و جعفر کدھر گئے

عبّاس، شہ کے پاس جو پہنچے عَلم لیے — اقبال آیا پشت پہ جاہ و حشم لیے
شانوں کے بوسے شہ نے بہ لطف و کرم لیے — بخشا عَلَم، تو اُس نے یہ کہہ کر قدم لیے
آقا نے مجھ کو سب میں نمودار کر دیا
بے بال و پر کو، جعفرِ طیّار کر دیا

پھر شہ نے کی درست صفِ لشکرِ خدا — روئے زمیں ہوا صفِ لشکر سے خوش نما
بینی سے حُسن چہرے کا ہو جس طرح سوا — روئے زمیں فقط نظر آتا تھا دائما
آراستہ جو رن میں صفِ فوجِ دیں ہوئی
سیدھی نمودِ بینیِ روئے زمیں ہوئی

اپنے حبیبِ خاص کو تو میمنہ دیا — اور میسرہ زُہیر کو شہ نے عطا کیا
بخشی جناحِ قلب کو اطفال سے ضیا — اکبر سے پوچھا، کیوں جگرِ شیرِ کبریا!
اس لشکرِ قلیل کے مختار ہوتے ہو؟
اک دو پہر کے واسطے سالار ہوتے ہو؟

وہ بولے، دوپہر کا کسے انتظار ہے — گر آپ حکم دیں، ابھی بندہ نثار ہے
شہ نے کہا، یقیں مجھے اے گل عذار ہے — تیرا جوانا مرگ، لقب آشکار ہے
سالار اُسے کیا جو شہِ عرش اَوج نے
دکھلائی نذر ہاتھوں پہ سر رکھ کے فوج نے

ناگہ عمر کے قصد پہ، قرنا نے کی فغاں — بے داد کی گواہی کو ہر سو اٹھے نشاں
چلّائے ہاتھ مل کے جلاجل کر الاماں — نقّارے، سینے پیٹتے آگے ہوئے رواں
دی بوق نے ندا کہ دمِ شور و شَین ہے
زہرا سے کہہ دو نوبتِ قتلِ حُسین ہے

یوں گرم جست خیز سپاہ لعیں ہوئی	جو راہ، نقشِ نعل سے چیں بر جبیں ہوئی
یہ گرد اڑی کہ پوشش چرخِ بریں ہوئی	گویا کہ اپنے جامے سے باہر زمیں ہوئی
خاک اس غبار نے کیا موتی کی آب کو
.م میں بنایا شیشہ، ساعت، حباب کو

خیمے میں دخترانِ علی ہول کھاتی تھیں	پردہ اٹھا کے وارثوں کو دیکھ جاتی تھیں
بہرِ دعا مصلّے برابر بچھاتی تھیں	گر عالم ہراس میں زیور بڑھاتی تھیں
باجوں کے غل سے بچوں کو دہشت جو ہوتی تھی
اصغر کے دل پہ ہاتھ دھرے، بانو روتی تھی

زینب زمیں پہ لوٹ کے کرتی تھی یہ کلام	ہَے ہَے، بچے گا کاہے کو بھائی مرا امام
فوجوں کا یاں سے تا درِ کوفہ ہے ازدحام	قاصد بلاؤ، نامے لکھو، اور یہ دو پیام
گھیرا ہے سب نے فاطمہ کے نورِ عین کو
آؤ مدینے والو! بچاؤ حسین کو

یہ کہہ کے، غش وہ بے کس و ناچار ہو گئی	آغاز قتل گاہ میں پیکار ہو گئی
سر دے کے فوجِ شاہ سبک سار ہو گئی	ہمت فدائے سیدِ ابرار ہو گئی
لشکر جو گرد تھا، وہ نثارِ خدا کیا
جھولے سے شیر خوار کو لا کر فدا کیا

نازاں تھا صبر، صبرِ شہِ حق شناس پر	قرباں تھا ہوش، ابنِ علی کے حواس پر
دریا کا زہرہ آب تھا، سید کی پیاس پر	مایوسی آس پاس تھی، مرنے کی آس پر
ماں رَن میں، اور خیمے میں ماں جائی روتی تھی
تنہائی پر حسین کی، تنہائی روتی تھی

اُس وقت آئے شمر و عمر روبروئے شاہ — بولے، سپاہ کیا ہوئی، اے شاہِ کم سپاہ!
کیوں ہم ہوئے تباہ کہ اب تم ہوئے تباہ؟ — اس لشکرِ قلیل پہ تھا فخر تم کو، واہ!
ہرگز نہ بندگانِ خلیفہ سے ڈرتے تھے
اس فوج کے بھروسے پہ بیعت نہ کرتے تھے

شہ نے کہا، نہ تم میں ہے انصاف، نہ حیا — یہ فوج کیسی فوج کہ دیں دار، باوفا
اس فوج کے بھروسے پہ بیعت نہ کی تھی کیا؟ — تکیہ کیا حسینؑ نے کس پر بہ جز خدا
ہو گا نہ فرق اک سرِ مو اپنی بات میں
سر دوں گا، ہاتھ دوں گا نہ فاسق کے ہات میں

ظالم پکارا، سر نہ کٹاؤ تو کیا کرو — اب اختیار کیا ہے کہ قصدِ وغا کرو
بیعت کرو حسنؑ کی طرح، تو بجا کرو — تیغِ بنی اُمیّہ غضب ہے، ڈرا کرو
ہاشم کے خاندان میں تو سب ولی ہوئے
لشکر شکن ہوئے تو فقط اک علیؑ ہوئے

شہ بولے، تم سمجھتے ہو، ناچار ہے حسینؑ — مختارِ سبطِ احمدِ مختار ہے، حسینؑ
کرّار ابنِ حیدرِ کرّار ہے حسینؑ — قہرِ جلالِ خالقِ غفّار ہے، حسینؑ
اچھا بھلا کھڑے تو رہو، لو ہم آتے ہیں
اک فاقہ کش کے دودھ کی طاقت دکھاتے ہیں

شہ اک قدم بڑھے تھے کہ وہ دونوں ہٹ گئے — الٹی جو آستیں، تو دو عالم الٹ گئے
رکھا جو ہاتھ قبضے پہ، دل سب کے پھٹ گئے — ہر سمت پیک دوڑے کہ طالع پلٹ گئے
بے پیرو! بھاگو، تم کو قسم اپنے پیر کی
کھنچتی ہے ذوالفقار جنابِ امیر کی

باہر نیام سے سرِ تیغِ رواں ہوا　　یا آستیں سے یدِ بیضا عیاں ہوا
اژدر نکل کے غار سے شعلہ فشاں ہوا　　بے پردہ قہرِ خسروِ کون و مکاں ہوا
جوہر نہ تھے وہ تیغِ شہِ خوش خصال میں
دن کو چمک رہے تھے ستارے ہلال میں

کھنچ کر پکاری تیغ کہ اے شاہِ باشرف!　　اٹھّارہ سال والے کا قاتل ہے کس طرف؟
بچے کو کس نے تیرِ جفا کا کیا ہدف؟　　چلّائی در سے خیمے کے بنتِ شہِ نجف
آلِ نبی کا کوئی کشندہ نہ چھوڑیو
ہاں ذوالفقار! شمر کو زندہ نہ چھوڑیو

یہ سُن کے دو زبانیں نکالے ہوئے چلی　　سانچے میں اپنے فتح کو ڈھالے ہوئے چلی
جوہر کا دام دوش پہ ڈالے ہوئے چلی　　قبضے میں قہرِ حق کو سنبھالے ہوئے چلی
سایے کو مڑ کے حکم دیا، رہ نہ جائیو
انگلی اجل کی پکڑے ہوئے لیتا آئیو

سینہ، چلی کہ سیفِ یداللہ رواں ہوئی　　تیغِ نگہ، نیامِ پلک میں نہاں ہوئی
صوفی کی طرح چلّہ نشیں ہر کماں ہوئی　　ہستی فنا ہوئی اور اماں، بے اماں ہوئی
تڑپے فلک، تڑپنے سے اُس ذوالفقار کے
بجلی کے سر پہ رعد گرا چیخ مار کے

آنکھیں زرہ کی تیغ سے گردیدہ ہو گئیں　　مانندِ کاہ، برچھیاں کاہیدہ ہو گئیں
تن پر کمانیں سہم کے چسپیدہ ہو گئیں　　تیغیں سمٹ کے قبضوں میں پوشیدہ ہو گئیں
حربے تو ہاتھ سے گرے، ہاتھ آستین سے
سر تن سے، پانو رن سے، رن اٹھا زمین سے

وہ تیغ یوں چمک کے سوے راس بڑھ گئی   کوڑا لگایا رعد نے، بجلی تڑپ گئی
بن کر سپاہ کے لیے لرزے کی تپ گئی   دوزخ کے شعلوں کی کفنی تن پہ نپ گئی

دل ناریوں کا تپ کی حرارت سے جل گیا
کچھ کچھ بخار تیغ کے دل کا نکل گیا

ترچھی رواں پیادوں کے سر پر اگر ہوئی   سیدھی وہ صف رواں سوئے قعرِ سقر ہوئی
اللہ ری صفائی، لہو میں نہ تر ہوئی   گردن تو اک طرف، نہ خبر کو خبر ہوئی

تیغ نگہ کی طرح، جدھر یہ پلٹ گئی
گردن سر آگے پھینک کے، پیچھے کو ہٹ گئی

یہ کلکِ تیغ ۔ فردِ سپر پر جو چل گیا   ہو کر نڈھال، ڈھال کا چہرہ بدل گیا
فوراً سپر میں ڈوب کے، باہر یہ پھل گیا   گویا گہن میں آکے مہِ نو نکل گیا

تن غرب تھا، نہ شرق تھا اہلِ جدال کا
پر اُن میں تھا طلوع و غروب اُس ہلال کا

ابرو کی شکل تھی خمِ شمشیر سے عیاں   چلتے ہی رن میں، بندھ گیا بھونچال کا سماں
یوں جسم رعشہ دار سے روحیں ہوئیں رواں   جس طرح بھاگیں زلزلے میں چھوڑ کر مکاں

اُس زلزلے میں، خانۂ زیں، آسیا بنے
پس پس کے راکبوں کے بدن، توتیا بنے

جو تیغ زن کہ طاق تھے روم و عراق میں   جہلِ مرکب ہو گئے کفر و نفاق میں
سوجھی نئی مشقتِ ما لا یطاق میں   عزت کو سب نے رکھ دیا تیغوں کے طاق میں

نے قصرِ تن، نہ طاق وہ تیغوں کے رہ گئے
یہ آبرو بھی کہ بدن ساتھ بہہ گئے

تیغیں بھی ذوالفقار کے نقروں میں آ گئیں
جوہر کی چشم تنگ سے، آنکھیں چرا گئیں
یکسر شکستِ فاش سرِ دست پا گئیں
تھی آب کم، حیا کے عرق میں نہا گئیں
تشبیہ تھی یہ تیغوں کے دندانے کے لیے
تیغوں کے دانت نکلے تھے یاں کھانے کے لیے

آخر پکارے سب کہ پیمبر کا واسطہ!
اے تیغ، نوجوانِ اکبر کا واسطہ!
اے تیغ، روحِ فاتحِ خیبر کا واسطہ!
اے تیغ، خردسالیِ اصغر کا واسطہ!
کوفے کی یا کہ شام کے جانے کی راہ دے
پہنچے سرا کو اپنی، ہمیں تو پناہ دے

قبضے کو چوم کر یہ پکارے شہِ زمن
بس ذوالفقار بس کہ لرزتے ہیں تن
شمشیر نے جواب دیا ہو کے نعرہ زن
کچھ یاد ہے جناب کو ہمشیرہ کا سخن
وقفہ ابھی نہیں شہہ عالم کروں گی میں
دم لوں گی، جب کہ شمر کو بے دم کروں گی میں

مظلوم نے کہا، یہ خدا کی رضا نہیں
زینب کو ہے وہ درد کہ جس کی دوا نہیں
معلوم تجھ کو مصلحت کبریا نہیں
میری قضا ہے، شمر کی اس دم قضا نہیں
جانے دے قتلِ شمر سے کیا تجھ کو کام ہے
اے تیغ! یہ حسین کے قاتل کا نام ہے

روتی ہوئی وہ تیغ در آئی نیام میں
اور شاہِ بے سپاہ بڑھے فوجِ شام میں
آئے ملک فلک سے رکابِ امام میں
ہر اک یہ نوحہ کرتا تھا اس ازدحام میں
روح الامیں! پروں میں چھپا لو حسین کو
لے جا کے عرشِ حق پہ بٹھا دو حسین کو

صابر نے ہاتھ اٹھا کے ندا دی، نہیں نہیں ۔ اب تیغ سے پناہ گلے کو کہیں نہیں
خیبر شکن کا بیٹا ہوں، چیں برجبیں نہیں ۔ شوقِ لحد ہے خواہشِ عرشِ بریں نہیں
مر کر حسینؑ، رتبۂ معراج پائے گا
اب آسماں پہ لاشۂ شبیر جائے گا

خاکِ شفا سروں پہ اُڑاتے چلے مَلک ۔ خونِ جگر سے سُبحۂ یاقوت تھی پَلک
پہنچے تھے تا فلک کہ لرزنے لگے فلک ۔ اور یہ فغاں زمیں سے گئی آسماں تلک
فریاد، گوشوارۂ عرشِ خدا گرا
لو خاک پر ستارۂ خیر النسا گرا

گرتے ہی خاک پر شہِ دیں کو غش آگیا ۔ پھر بھی نہ کوئی پیاسے کو پانی پلا گیا
خنجر لگا گیا، کوئی برچھی لگا گیا ۔ کھولی جو آنکھ شہ نے ہر اک تھرتھرا گیا
سر کاٹنے کو، پانو کسی کا نہ بڑھ سکا
جُز رنگِ زرد اور کوئی مُنہ پر نہ چڑھ سکا

پر آہ آہ، شمر نے بڑھ کر غضب کیا ۔ سینے پہ موزہ، حلق پہ خنجر کو رکھ دیا
چلّاتے آئے قبر سے محبوبِ کبریا ۔ باہیں گلے میں ڈال دیں، خنجر پکڑ لیا
زہرا پکاری، یہ دلِ حیدر کا چین ہے
میرا حُسین ہے، ارے میرا حُسین ہے!

روشن اسی نواسے سے نانا کا نام ہے ۔ یہ سرپرستِ عترتِ خیرالانام ہے
خنجر نہ پھیر، پیاس سے یہ تو تمام ہے ۔ آخر خدا ہے، حشر ہے، اور انتقام ہے
للّٰہ، جائیوں کو نہ میری تباہ کر
تو اس کے ننھے بچّوں کے بن پر نگاہ کر

اے شمر! کبریا کی عدالت کا واسطہ　　اے شمر! مصطفا کی رسالت کا واسطہ
اے شمر! مرتضا کی امامت کا واسطہ　　اے شمر! اہلِ بیت کی حرمت کا واسطہ
صدقہ نبی کی گور کا، حیدر کی گور کا
تو گل نہ کر چراغ، پیمبر کی گور کا

چلائی در سے زینبِ بے کس بھی، وا اخا!　　اماں تو آئیں، میں بھی چلی آؤں ننگے پا
بولی سکینہ، رد کے لوں میں خنجرِ جفا　　باقر پکارا رو کے، میں سو جان سے فدا
شاید یہ تیغ روک لے معصوم جان کر
دادا! ترے گلے پہ گلا رکھ دوں آن کر

مڑ مڑ کے زیرِ تیغ یہ بولے شہِ امم　　زینب! تجھے شہادتِ شبیر کی قسم
لے جا مرے یتیموں کو خیمے میں ایک دم　　بٹتا ہے دھیان، محوِ جمالِ خدا ہیں ہم
بچوں کو لے کے ڈیوڑھی سے زینب تو ہٹ گئی
یاں بوسہ گاہِ احمدِ مختار کٹ گئی

بس اے دبیر، دھوم ہے زہرا کے بین کی　　لٹتی ہے بارگاہ شہِ مشرقین کی
زینب کے آگے جلتی ہے مسند حسین کی　　ہلتی ہے قبر فاتحِ بدر و حنین کی
خالق سے کہہ کہ بخش دُرِ مدعا مجھے
حضرت کی کربلا کا مرقع دکھا مجھے

دستِ خدا کا قوتِ بازو، حسینؑ ہے   بے شک حسنؑ کا زینتِ پہلو، حسینؑ ہے
خیر الوریٰ کا یوسفِ خوش رو، حسینؑ ہے   باغِ جناں کے پھولوں کی خوشبو، حسینؑ ہے
ایمان اس کی جان ہے، ایماں کی جان ہے
قرآں دہن ہے اور یہ گویا زبان ہے

ایمان کی سند ہے محبت حسینؑ کی   مثلِ نماز فرض ہے طاعت حسینؑ کی
ہفتاد حج ہیں، ایک زیارت حسینؑ کی   واجب ہے کائنات پہ بیعت حسینؑ کی
دنیا و دیں کا، بیعتِ مولا سے چین ہے
ایمان، زیرِ دستِ جنابِ حسینؑ ہے

لکھا ہے، بے وطن جو امامِ امم ہوئے   کچھ دن حرم کو لے کے مقیمِ حرم ہوئے
کعبے میں آ کے اور حرم محترم ہوئے   گویا کہ اہلِ بیتِ خدا سب حرم ہوئے
پر خانۂ خدا میں بھی کوئی ستاتے تھے
پیکِ اجل، خطوطِ اجل روز لاتے تھے

عباسؑ کے پسر کی زبانی یہ ہے رقم   مہمان تھے حرم میں ابھی شاہِ محترم
اک روز اپنی آنکھ سے کیا دیکھتے ہیں ہم   در پر کھڑا ہے کعبے کے، وہ قبلۂ حرم
پابوس آستانِ حرم، شاہِ دیں کا ہے
اور ہاتھ شہ کے ہاتھ میں روح الامیں کا ہے

بچشمِ ادب سے مَل کے کفِ شاہِ مشرقین
جبریل دے رہے ہیں ندا یوں بہ شور و شین
اے اُمّتِ نبی! یہ نبی کا ہے نورِ عین
بیعت خُدا کی ہے، بہ خدا، بیعتِ حسین
جو آرزو ہے بیعتِ دستِ خدا کرے
آئے وہ بیعتِ خلفِ مُرتضیٰ کرے

یہ ہاتھ وہ ہیں جن سے ملک فیض پاتے ہیں
بیعت سے ان کی کیوں یہ بشر ہاتھ اٹھاتے ہیں
پہلے دعا سے عرش پہ یہ ہاتھ جاتے ہیں
مثلِ عصا کلیم کے یہ کام آتے ہیں
حیرت ہے، کیوں طبق نہ زمیں کے اُلٹ گئے
ہیہات! کربلا میں یہی ہاتھ کٹ گئے

ہرگز سُنی نہ ایک نے جبریل کی صدا
بیعت طلب امام سے کی، وا مصیبتا!
کعبے سے عین عرفے کو مولا ہوئے جُدا
تعجیل کی قضا نے، نہ حج کر سکے ادا
آوازِ سنگِ کعبہ نے دی شور و شین سے
اے اہلِ کعبہ! اب نہ ملو گے حُسین سے

لکھتے ہیں صاحبانِ تواریخ بیش تر
جس سال نامِ شہ پہ پڑا قرعۂ سفر
تھی اس برس یہ شدّتِ گرما کہ الحذر!
مثلِ چنار آگ سے جلتا تھا ہر شجر
جائے غبار، ریگ سے شعلے بلند تھے
مجمر، زمینِ گرم تھی۔ ذرّے، سپند تھے

مثلِ تنورِ گرم تھا پانی میں ہر حباب
ہوتی تھیں سیخِ موج پہ مرغابیاں کباب
گلخن، صدف تھے۔ دانہ بریاں، دُرِ خوش آب
آتش سے اپنی، لعلِ بدخشاں تھا آب آب
یہ دھوپ تھی کہ دانے کا بچنا محال تھا
دانہ بچا بھی جلنے سے تو خال خال تھا

اِس فصل میں تباہ نبی کا سفینہ تھا   آوارہ کوہ و دشت میں شاہِ مدینہ تھا
ذی الحج کا چاند، شہ کو غضب کا مہینہ تھا   اصغرؑ کی زندگی کا نہ کوئی قرینہ تھا
مُنہ گُل سا، مثلِ غنچۂ تصویر خشک تھا
گرمی سے، شیرِ بانوئے شبّیر خشک تھا

دو دو قدم پہ ہوتے تھے اطفال بے حواس   اک پانی پانی کہتا تھا اور ایک پیاس پیاس
یوں قافلہ تھا گردِ علمدارِ حق شناس   جس طرح پیاسے حشر میں کوثر کے آس پاس
عبّاسؑ، شانِ ساقیِ کوثر دکھاتے تھے
ستّے میں ساری فوج کو پانی پلاتے تھے

فرماتے تھے حسینؑ، غضب کی تپش ہے ہائے   کیا ہو جو ایسی دھوپ میں پانی نہ ہاتھ آئے
کہتے تھے خیر خواہ، نہ وہ دن خدا دکھائے   مولا جواب دیتے تھے، اللہ ہی بچائے
پانی ابھی تو منزلوں میں پیتے جاؤ گے
آتا ہے اِک مقام کہ قطرہ نہ پاؤ گے

بیٹھے تھے رہ زنی کو جو گم راہ جا بہ جا   چلتا تھا راہ چھوڑ کے وہ گُل کا رہ نما
تھا قریہ قریہ حکم یہ ابنِ زیاد کا   لوٹوں گا گھر، حسینؑ کو مہماں اگر کیا
ایماں کیا تھا بیع یزیدِ لعیں کے ہاتھ
غلّہ نہ بیچتا تھا کوئی شاہِ دیں کے ہاتھ

اب یوں کتب میں منزلِ آخر کا ہے بیاں   زہراؑ کا چاند، اوّلِ شب کو ہوا رواں
منزل دراز، رات سیہ، راہ بے نشاں   جنگل مہیب، خارِ مغیلاں یہاں وہاں
تن غازیوں کے کانٹوں سے افگار ہو گئے
مجروح خار سے، گُلِ بے خار ہو گئے

سنبل صفت قبا ہوئی ہر گُل کی تار تار
پلکوں کی طرح بھر گئے چشمِ زرہ میں خار
زینب حُسین کے لیے ہو ہو کے بے قرار
کہتی تھی، ڈھال روک لو چہرے پہ میں نثار
کانٹے غضب میں، باگ اٹھائے ہوئے چلو
اکبر کو بھی سپر میں چھپائے ہوئے چلو

فرماتے تھے حُسین، نہ ہو اتنی بے قرار
کافی ہے اے بہن! سپرِ حفظِ کردگار
ہے آج تو فقط خلشِ خار رو بہ کار
اک روز تیر، نیزے کلیجے سے ہوں گے پار
دل اُس مریض کے لیے ہے اضطرار میں
کانٹوں پہ ننگے پا جو پھرے گا بخار میں

ناگاہ صُبح منزلِ آخر عیاں ہوئی
لیکن یہ صُبح، سبطِ نبی کو کہاں ہوئی
جس جا سواری رک کے نہ آگے رواں ہوئی
حیراں سپاہِ خسروِ کون و مکاں ہوئی
بدلے چھ گھوڑے دوشِ نبی کے سوار نے
لیکن قدم اُٹھایا نہ اک راہوار نے

وہ رخش جس سے ہوش ہوا کے اُڑا کریں
گر اک اشارہ خاصِ آلِ عبا کریں
طے راہ شش جہت کی وہ شش بادپا کریں
پڑ جائیں بیڑیاں جو قضا کی، تو کیا کریں
حیرت سے گھوڑے توسنِ تصویر بن گئے
نعلوں کے حلقے، پانو کی زنجیر بن گئے

جنبش جو مرکبوں میں نہ پائی حُسین نے
اِک مشتِ خاک بھر کے اٹھائی حُسین نے
خود سونگھی اور بہن کو سنگھائی حُسین نے
ہمشیر کی سُنی یہ دُہائی حُسین نے
ہے ہے! یہ خاک پھینکو، مری جان جاتی ہے
بھیّا! تمھارے خون کی بو اِس میں آتی ہے

باشندوں کو وہاں کے یہ مولانے دی ندا
نام اس زمیں کے جتنے ہیں، لو تم جدا جدا
وہ بولے، آپ کو ہو مبارک ہر اک بلا
یہ نینوا ہے، ماریہ ہے اور کربلا
معبد ہے یہ کلیم کا، مولد مسیح کا
شہ بولے، اب یہ ہوئے گا مدفن ذبیح کا

موسیٰ کو یاں شجر میں نظر آئی وہ ضیا
جس روشنی نے نعرہ انا اللہ کا کیا
ہم زیرِ تیغ دیکھیں گے وہ نورِ کبریا
عیسیٰ کو ماں نے غسلِ ولادت تھا یاں دیا
پر، ہم نہ بعدِ مرگ بھی یاں غسل پائیں گے
چہلم کو، قبر باپ کی، عابد بنائیں گے

عباس کو پکارے، نہ آگے قدم بڑھاؤ
منزل یہی ہے، چھاؤنی پردیسیوں کی چھاؤ
ہم شکلِ مصطفےٰ کو ندا دی بڑھے نہ جاؤ
بیٹا! تنائیں کھیرو، سراپے بھی سب لگاؤ
غُرّے کو تو ہوا ہے ہمارا سفر تمام
دسویں کو، ہوگا فاطمہ زہرا کا گھر تمام

نقارہ نوبتی نے بجایا مقام کا
یعنی، یہاں سے کوچ ہے دارالسلام کا
خیمہ بپا ہوا جو شہِ خاص و عام کا
بھیجا فلک نے دور سے تحفہ سلام کا
کھولا یہ پردہ خیمۂ شہ نے جہان پر
اِک عرش ہے زمین پہ، اک آسمان پر

خیمہ تھا یا کہ تاجِ سرِ کربلا تھا وہ
نکہت میں خلد، اوج میں عرشِ علا تھا وہ
وسعت میں مثلِ دامنِ عفوِ خطا تھا وہ
خاکِ شفا زمین تھی، دارالشفا تھا وہ
خیمہ نہ کہیے، آئے تھے شہ قتل ہونے کو
پلّا زمیں نے منہ پہ لیا تھا وہ رونے کو

اونچا ہوا فلک سے بھی اوجِ خیامِ شاہ
خیمے کے دو کلس نظر آتے تھے مہر و ماہ
خیمہ تھا یا قضا و قدر کی تھی بارگاہ
فرشِ اُس کا عرش، حاجب و دربانؑ جلال و جاہ
زیبِ زمیں جو خیمۂ شبیر ہو گئے
آپس میں عرش و فرش بغل گیر ہو گئے

جہان کس زمیں پہ ہوئے نصبِ شہِ زماں
خیمہ تھا اپنی چوب سے انگشت در دہاں
گویا زبانِ چوب سے کرتا تھا وہ بیاں
ظلمِ یزید سے تہ و بالا ہیں دو جہاں
سو، بیچ میں زمین و فلک کے پڑا ہوں میں
دیکھو، برائے صلح دو عالم کھڑا ہوں میں

وہ دیدۂ زمیں تھا، و یا خیمۂ حسین
پلکوں کی طرح گرد طنابیں بہ زیب و زین
اس چشم کو خدا نے دیا نورِ مشرقین
پتلی تھی اُس کی، فاطمہ زہرا کا نورِ عین
بنیادِ کفر میں خلل اس وقت پڑ گئے
ہر جا ستون دین کے، میخوں سے گڑ گئے

باندھیں لگامیں غازیوں نے نیزے گاڑ کر
اور فرشِ زین پوش کیے گرد جھاڑ کر
جنگل بسایا چرخ نے، بستی اُجاڑ کر
بولے علیؑ، کفن کا گریبان پھاڑ کر
جنگل میں اہلِ بیتِ رسالت کا گھر ہوا
آخر مرے حسین کا پہلا سفر ہوا

وہ وقتِ صبح اور وہ بیابان کی ہوا
وہ چھاؤنی حسین کے لشکر کی جا بہ جا
وہ مرکبوں کے بولنے کی چار سُو صدا
وہ خیمے، وہ سراچے، وہ بے چوبے خوش نما
اُڑنا پھریروں کا، وہ چمکنا نشان کا
وہ ابر ڈھال کا، وہ مہِ نو کمان کا

بستر پہ کوئی آیا، کوئی سیر کو گیا
کوئی سپر کو زیرِ بغل رکھ کے سو گیا
مصروف اک تلاوتِ قرآں میں ہو گیا
آکر فرات پر کوئی منہ ہاتھ دھو گیا
عباسؑ سبز پوش کھڑے تھے فرات پر
جس طرح خضر، چشمۂ آبِ حیات پر

کہتے تھے، دل شگفتہ ہے، گو غنچہ وار ہے
آبِ رواں اُدھر تو اِدھر سبزہ زار ہے
گر بیچ میں ہو قبر مری نو بہار ہے
دریا میں شور تھا، یہی تیرا مزار ہے
صحرا میں قبرِ فوجِ شہِ نیک ذات ہے
عباسؑ! آبرو مری اب تیرے ہاتھ ہے

مدّاحِ کربلا تھے رفیقانِ شاہِ دیں
کہتے تھے کیا لطیف ہے واللہ یہ زمیں
مطلق ملال، قطعِ منازل کا اب نہیں
آب و ہوا ہے کوثر و فردوس کی یہیں
صحرا ہے یا کہ قدرتِ ربِّ غفور ہے
ہر خار، باغِ خلد ہے۔ ہر ذرّہ، حور ہے

مرقوم ہے کہ اک شجرِ سدرہ تھا وہاں
شاخ اس کی اک رفیق نے کی قطع ناگہاں
شاخِ بریدہ سے ہوا تازہ لہو، رواں
سب نے کہا، یہ کیا؟ تو پکارے شہِ زماں
خوں غازیوں کا جمع کو اعدا بہائیں گے
تیغوں سے نونہالِ علی کاٹے جائیں گے

کب اس زمیں نے پائے تھے یہ لعل، یہ گہر
یہ پھول، یہ ستارے، یہ خورشید، یہ قمر
آئے سب اہلِ قریہ زیارت کو یک دگر
نکلیں گھروں سے بیبیاں برقع سنبھال کر
بولا کوئی کہ نامِ خدا، کیا سپاہ ہے!
اک نے کہا کہ واہ، عجب بادشاہ ہے!

یہ خسروِ عرب ہے کہ ایراں کا شہریار　　یہ ہے عزیزِ مصر، کہ کنعاں کا تاج دار
کیوں نکلا ایسے وقت میں گھر سے یہ بے دیار　　ہر سو فساد و فتنہ ہے اور قحط کی پیکار
ہے ہے یہ ننھے بچوں سے کس جا مکیں ہوا
آباد اِس زمین پہ کوئی نہیں ہوا

مولا کے اک رفیق نے بڑھ کر یہ دی ندا　　تم کلمہ کس کا پڑھتے ہو؟ بولے، رسول کا
اُس نے کہا کہ یہ اُن کا نواسا ہے لاڈلا　　بے رحمیِ یزید سے ترکِ وطن کیا
جاری تمھاری بستیوں میں یہ جو نہر ہے
یہ نہر، اِس غریب کی مادر کا مہر ہے

آوازِ دورباش کا ناگاہ غل اُٹھا　　اور خیمے میں اُترنے لگی آلِ مصطفا
ڈیوڑھی سے پر، کجاوۂ زینب جوں ہی لگا　　خود اہتمام کرنے لگے شاہِ کربلا
روکی قنات اکبر و قاسم نے آن کر
عبّاس گرد پھرنے لگے نیزہ تان کر

درباں عصا اُٹھا کے بڑھے جانبِ یسار　　دہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار
آ آ کے در پہ لونڈیاں چلّائیں بار بار　　آئے اِدھر سے اب، نہ کوئی جائے، ہوشیار
آوازِ غیر سن کے وہ اندیشہ کرتی ہیں
آہستہ بولو، دخترِ زہرا اُترتی ہیں

عفّت کے جتنے مرتبے خیر النسا نے پائے　　وہ ماں کے بعد، دخترِ مشکل کشا نے پائے
ہاں ہاں مسافرو! نہ کوئی غل مچانے پائے　　ناقے پہ بیٹھ کر نہ اِدھر کوئی آنے پائے
حسنِ ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جس کا کہ قامت بلند ہو

اتری جو اپنے ناقے سے بنتِ شہِ عرب   اور ہاتھوں ہاتھ لے گئے آلِ رسول سب
اس قاعدے کو بھول گیا چرخ، ہے غضب   غرّے تلک یہ بردہ تھا زینب کا، یہ ادب
دسویں کو، بال کھولے ہوئے ننگے سر پھریں
چادر چھنی، رسن میں بندھیں، در بدر پھریں

مسند پہ یاں بٹھا کے بہن کو شہِ ہدا   کرسی پہ آکے بیٹھے قریبِ حرم سرا
تھے دست بستہ گرد جوانانِ مہ لقا   لے لے کے نذریں آئے زمیں دارِ کربلا
استادہ فرطِ خُلق سے شبیر ہو گئے
نذروں پہ ہاتھ رکھ کے، بغل گیر ہو گئے

بٹھلا کے پہلوؤں میں انھیں، یوں کیا بیاں   اے کربلائیو! میں تمھارا ہوں میہماں
ظالم مجھے ستاتے ہیں، جاتا ہوں میں جہاں   بیچو جو یہ زمین، تو چندے رہوں یہاں
اب خاک تم عزیز کرو اس غریب کی
سید کی، بے وطن کی، مصیبت نصیب کی

سودا رضا کے ساتھ ہے، جور و جفا نہیں   جبر اور دستِ شرع میں بیع و شرا نہیں
پر اب سوا یہاں کے ٹھکانا مرا نہیں   بیچو تو خیر، ورنہ مجھے کچھ گلا نہیں
رہنے سے یاں ہمارے سب آرام پائیں گے
خاکِ شفا، تمھاری زمیں کو بنائیں گے

سب نے کہا کہ عذر ہمیں کیا ہے، یا امام!   حاضر غریب خانہ ہے، واں کیجیے قیام
پر، کربلا کی بیع میں ہے خوف لا کلام   آزار پاتے آگے ہیں یاں انبیا تمام
ابنِ ابو تراب سے پیاری زمیں نہیں
پر یہ زمین، لائقِ سلطانِ دیں نہیں

پانوں پہ صدمہ سنگ کا، آدم اٹھا گئے
پتھر پہ گر کے یاں سے خلیلِ خدا گئے
طوفاں کے موجے، نوح کی کشتی پہ آ گئے
بر سنتے ہیں کہ آپ کے بابا بچا گئے
شہہ بولے سرنوشت میں کب فرق ہوئے گا
اب یاں جہازِ آلِ نبی غرق ہوئے گا

افضل زمینِ کعبہ سے ہے، ارضِ کربلا
میں جانتا ہوں اس کا شرف، یا مرا خدا
بننے تو دو مزار حُسینؑ شہید کا
پھر دیکھنا، یہ خاک ہے یا نورِ کبریا
یوسف نہ ہوگا، پر یہاں بازار ہوئے گا
زوّار آئیں گے، مرا دربار ہوئے گا

دیکھو، مرے محبوں کو تم چین دیجیو
مہمان تین دن مرے زائر کو کیجیو
گر کچھ قصور اُن سے ہو، بدلا نہ لیجیو
پیاسوں کو میرے رویئو، جب پانی پیجیو
پانی ابھی تو ملتا ہے زہرا کے جانی کو
پر، ساتویں سے ترسیں گے معصوم پانی کو

دینار دے کے ساٹھ ہزار اُن کو، یہ کہا
میں نے تمھیں یہ بخشے، زمیں تم کرو ہبا
شبّیر کے معاملے پر سب نے رو دیا
لکھنے لگے قبالہ زمیندارِ کربلا
غل پڑ گیا، حُسینؑ وطن کو نہ جائیں گے
لو مول لی زمیں، یہیں بستی بسائیں گے

مرقوم ہو رہا تھا قبالہ کہ ناگہاں
خاتونِ محترم ہوئی خیمے سے اک عیاں
تھی چہرے پر نقاب تو برقع میں تن نہاں
پر اس پہ بھی حیا سے لرزتے تھے استخواں
بے تاب ہو کے اُلفتِ اکبر سے آئی تھی
راوی نے یہ لکھا ہے کہ زہرا کی جائی تھی

آہستہ کچھ کہا شہِ دیں سے یہ التجا — اور جلد یوں پھری کہ نہ سایہ نظر پڑا
کرسی سے یاں تڑپ کے گرے شاہِ کربلا — عبّاس نے اُٹھا کے کہا، ہائے، کیا ہوا
فرماؤ کچھ، قسم تمھیں شیرِ بتول کی
کیا کہہ گئی نواسی جنابِ رسول کی

شہ بولے آہ مجھ سے یہ زینب کا تھا کلام — بھیّا! قبالے میں مرے اکبر کا ہوئے نام
یعنی کہ اُس کے مِلک میں ہو یہ زمیں تمام — عبّاس! جاؤ کہہ دو کہ مجبور ہے امام
اٹھارہ سال کے یہ زمانے سے جائیں گے
اِک قبر کی جگہ علی اکبر بھی پائیں گے

پر مجھ کو اس کی دل شکنی کا خیال ہے — کہیو، بہن! مجھے تری خاطر کمال ہے
مجبور ہوں، بس عفو کا تجھ سے سوال ہے — اکبر کے نام پر یہ قبالہ محال ہے
قبضہ کریں غلام ترے اِس مقام پر
کی وقف یہ زمیں ترے شیعوں کے نام پر

عبّاس آئے خیمے میں کہنے کو یہ پیام — زینب نے دیکھتے ہی اُنھیں یہ کیا کلام
کیوں بھائی! میری بات پہ راضی ہوئے امام — لکھا گیا قبالے میں اکبر کا میرے نام
دولھا بناؤں گی میں دُلھن بیاہ لاؤں گی
اکبر کے نام کی یہاں بستی بساؤں گی

یوسف سے مِلکِ مصر ہے منسوب جا بہ جا — مکہ ہے مرتضٰی کا، مدینہ رسول کا
مشہور یوں ہی ہو مرے اکبر کی کربلا — آواز دی قضا نے کہ جو مرضیِ خدا
جب سے بنائے کرسی و عرشِ مجید ہے
مشہور کربلائے حسینِ شہید ہے

عباس روئے حسرتِ زینب پہ زار زار — وہ صابرہ بھی رونے لگی ہو کے بے قرار
عباس کی بلائیں لیں گھبرا کے بار بار — پوچھا میں صدقے جاؤں، کہو کیا ہے رو بہ کار
میں جانتی تھی خوش خبری لے کے آئے ہو
تم ہاتھ دل پہ رکھے ہو، گردن جھکائے ہو

شاید مرا سخن ہوا بھائی کو ناگوار — جیتے رہیں حسین کے جتنے ہیں ورثہ دار
عابد پہ بھی میں صدقے ہوں، اصغر پہ بھی نثار — اکبر کا پالنے سے زیادہ ہے چاؤ پیار
اکبر کے نام پر یہ سخن کس کو شاق ہے
فضلِ خدا سے بھائیوں میں اتفاق ہے

عباس بولے اس کا تو واں ذکر کچھ نہیں — ہر بات ہے حضور کی مقبولِ شاہِ دیں
شہ نے ہبا کی آپ کے شیعوں کو یہ زمیں — کیجیے گا سفارشِ اکبر نہ اب کہیں (کذا)
بھائی مرے کریم ہیں، شرما کے روئیں گے
اکبر اسی زمین کے پیوند ہوئیں گے

یہ سن کے، روئے یوں حرمِ شاہِ محترم — گویا ابھی گھڑی سرِ اکبر ہوا قلم
خوف و رجا میں روزِ نہم تک رہے حرم — عاشور کو امید ہوئی قطع یک قلم
رختِ سفید لے کے سرِ دست آئی صبح
رنڈ سالہ، نذرِ بانوئے شبیر لائی صبح

واں تو کلیدِ مہر سے قفلِ سحر کھلا — یاں روئے اہلِ بیت پہ ماتم کا در کھلا
اشکِ رواں کا تار بندھا اور سر کھلا — قرنا ہوئی، نشانِ سپاہِ عمر کھلا
دربارِ حق میں خیمے سے شاہِ زمن چلے
سر لے کے نذر ہاتھ میں ستر دو تن چلے

روشن ہوا حسینوں کے نور سے جو رَن چشمِ جہاں میں خار ہوئی مہر کی کرن
انجم کی انجمن تھی وہ یا فوجِ پنجتن پر دوپہر تلک تھی یہ صحبت، یہ انجمن
گل دستے کی طرح تو بہم بیر جواں ہوئے
اور ٹوٹنے کے واسطے باغی رواں ہوئے

فوجِ ستم بڑھی کہ خزاں کی ہوا چلی گل زارِ اہلِ بیت کی توڑی کلی کلی
چلّائی بال کھول کے، زہرا کی لاڈلی فریاد یا رسولِ خدا، داد یا علی !
باغِ رسول، باغِ علی، باغِ فاطمہ
ایسا لٹا کہ ہوگیا تا عصر خاتمہ

تنہا تھا سروِ فاطمہ، کوئی ثمر نہ تھا بازو تھے دونوں قوتِ بازو مگر نہ تھا
باقی تھی آنکھ، رونے کو نورِ نظر نہ تھا دردِ جگر تھا، پر کوئی لختِ جگر نہ تھا
سب فوج اَلوداع شہِ دیں سے کہہ گئی
مظلومی و غریبی و تنہائی رہ گئی

ناگاہ اک غبار رہِ کوفہ سے اُٹھا اور برچھیوں کی بجلیاں چمکیں جدا جدا
پیدا ہوا سوارِ زرہ پوش بر ملا بھالے لیے جلو میں ملازم پیادہ پا
ابرو پہ بل پڑے ہوئے، تیغِ جفا لیے
دیکھا اسے لعینوں نے اور سر جھکا لیے

ناری تھا وہ سوار، تو شعلہ تھا راہ وار وہ زین پہ تھا، سر پہ شقی کے اجل سوار
پہنچا جو وہ قریب تو بولے جفا شعار بھاگو، ہوئی وہ مرگِ مفاجات آشکار
چہرہ ہے یا بلا ہے، نگہ ہے کہ زہر ہے
گر یہ محبِ حسین کا نکلا، تو قہر ہے

اُس وقت در پہ خیمے کے زینب تھی بے قرار بھائی سے نا امید، بلا کی امید وار
پایا ہجومِ یک بہ یک صفِ دشمن میں اضطرار آواز دی کہ سیدِ بے کس، ترے نثار!
اعدا نے دفعتاً جو سر اپنا جھکایا ہے
کیا اس گھڑی یمن سے کوئی شیعہ آیا ہے؟

تنہا ہے یا کہ ساتھ ہیں کچھ اور ہم سفر اللہ فوجِ شام پہ بخشے اُسے ظفر
چوتھے برس نہ بالی سکینہ ہو بے پدر بھابی مری پھرے نہ ضعیفی میں ننگے سر
پر آہ، خیریت نہیں معلوم ہوتی ہے
آنے سے اِس کے، فاطمہ کی روح روتی ہے

فرمایا شاہِ دیں نے، کرو صبر اے بہن یہ کربلا کجا و کجا شیعۂ یمن
کوئی حسین کا نہیں، جز ربِّ ذوالمنن لڑنے کو ہم سے آیا ہے اک گبرِ تیل تن
کیوں گر نہ رو ئیں خیر نسا شور و شین سے
ناطاقتی میں دیکھیے کیا ہو حسین سے

زینب سر اپنا پیٹ کے چلائیں، ہے ستم! بے داد کرنے کے لیے یہ فوج کیا ہے کم
رن میں وہ پہلوان سیہ دل، زبوں شیم آیا عمر کے سامنے با شوکت و حشم
مجرا کیا غرور سے نیزہ سنبھال کے
اک خط دیا عمر کو کمر سے نکال کے

بولا شقی: میں بصرے سے کوفے میں پہنچا کل حاکم نے بھیجا یاں کہ یہ عقدہ کروں میں حل
لائی ہے واں سے یاں مجھے شبیر کی اجل ابنِ زیاد کے تو نوشتے پہ کر عمل
ہاں سب سے کہہ دے، کھولیں کمر، بیٹھیں چین سے
اب پہلوانِ بصرہ لڑے گا حسین سے

بولا یہ ابنِ سعد، نہ کر دیر اے جواں ہمراہیوں کو لے کے وہ کافر ہوا رواں
نیزہ ہلاتا آیا حضورِ شہِ زماں پڑھنے لگا رجز کہ ہوں بصرے کا پہلواں
القاب بولہب ہے، تو آتش مزاج ہوں
میں فخرِ زال و رستم و سہراب آج ہوں

سابق میں سر اٹھایا تھا سہراب و سام نے آتے نہ خواب میں بھی مگر میرے سامنے
رونق یہ پہلوانی کو دی میرے نام نے بصرے میں مجھ کو باج دیا خاص و عام نے
چاہوں جو میں، جنوں کو نکالوں زمین سے
مثلِ سپر پہاڑ اٹھالوں زمین سے

وہ چہرۂ جلالِ خدا، مرتضیٰ کا لال قہر و جلال سے ہوا سورج کی طرح لال
فرمایا لعلِ لب سے کہ بس بس زباں سنبھال یہ کبر، یہ غرور، یہ نخوت کی بول چال
ہاں زخم باندھ لوں میں ردائے بتولؑ سے
پھر کچھ کہوں زبانِ خدا و رسول سے

پھر جلد جلد باندھ لیے زخم دست و پا پر دل میں زخم مرگِ پسر کا نہ بندھ سکا
اور چپکے چپکے خالقِ عالم سے کی دعا لکنت زباں کو پیاس سے ہے، جو تری رضا
آئی ندائے غیب، کدھر تیرا دھیان ہے
اے افصح العرب! تو خدا کی زبان ہے

یوں مصحفِ رجز شہِ دیں نے کیا شروع ہاں پہلوانِ بصرہ! سماعت میں ہو رجوع
جب سے نجوم و شمس و قمر کا ہوا طلوع جب سے بشر پہ فرض ہوا سجدہ و رکوع
کیا کیا ہوا ہے اور ابھی کیا کیا نہ ہوئے گا
لیکن حسینؑ سا کوئی پیدا نہ ہوئے گا

روشن ہے رتبہ نانا کا ماہی سے تا بہ ماہ قدرت پہ اُن کی چاند کے دو ٹکڑے، دو گواہ
جرمِ قمر کے بیچ میں جو ہے خطِ سیاہ کلمہ لکھا ہے حق نے کہ قدسی کریں نگاہ
کلمے میں نامِ احمدؐ و اسمِ علیؑ لکھا
ان کو رسول اپنا اور ان کو ولی لکھا

دوشِ نبی کی میں سپر استوار ہوں تیغِ نیامِ قدرتِ پروردگار ہوں
میں شیرِ بیشۂ شہِ دلدل سوار ہوں قبضے میں کائنات ہے، پر بے دیار ہوں
تو شک ہے، میں یقیں، تو گنہ، میں ثواب ہوں
تو بو لہب ہے، میں خلفِ بو تراب ہوں

بولا وہ بد دماغ، یہ معلوم ہے مگر شمشیر و تیر و نیزے کا جوہر ہے معتبر
شہ نے کہا کہ سب میں مرا امتحان کر ہٹ کر شقی نے نیزے کو گردش دی گردِ سر
بھالا سنبھالا شہ نے، تو غل بر محل اُٹھا
اب خیر جان کی نہیں، دستِ اجل اُٹھا

اُٹھتے ہی نیزہ، لینے لگا باج راہ وار صرصر سے جست، رعد سے غل برق سے شرار
جلنے لگے زمین پہ ذرے سپند وار دودِ سیہ اٹھا عوضِ گرد بے شمار
پر ذوالجناح صاف دھوئیں سے نکل گیا
ہاروت تھا کہ اڑ کے کنوئیں سے نکل گیا

نیزے کو اُس کے لے گیا یوں نیزۂ جناب چنگل میں جیسے داب لے کنجشک کو عقاب
زہ اُس نے کی کمانِ کیانی بہ صد شتاب لیکن کمان سہمی کہ مجھ پہ نہ ہو عتاب
جان اُس کی ساتھ تیر کے سن سے نکل گئی
اک آہِ سرد تھی کہ دہن سے نکل گئی

حمزہ صفت بڑھا پسرِ ضیغمِ صمد کھینچا الف خدنگ کا دے کر کماں کا "
قربان ہو کے بولی کماں، یا علی مدد! اور تیر نے نشانہ کیا دیدۂ حسد
نیزہ، نگہ کی طرح چلا غیظ و خشم میں
مچھلی کی ڈھال توڑ کے جا پہنچا چشم میں
چشمِ عدو کی تیر سے نام آوری ہوئی انگشتِ تیرِ شہ کی وہ انگشتری ہوئی
پر تیر کے پروں سے پلک تھی بھری ہوئی مردم پکارے، بند قفس میں پری ہوئی
باقی رکھا نہ ابروے کج کے نشان کو
چلائے سب، وہ تیر نے توڑا کمان کو
پھینکی زمیں پہ اس نے کماں، ہو کے شرمسار کورانہ تیغ کھینچ لی، بڑھ کر لگایا وار
نکلی شبِ نیام سے یاں صبح ذوالفقار بصری تو بھاگا، کوفی و شامی ہوئے فرار
آئی ندا فلک سے، اُٹھا غل زمین سے
دیکھو وہ نکلا دستِ قضا آستین سے
اللہ رے حلم، اُس سے مخاطب ہوئے امام آخر تھا ایک طعنِ سناں ہی میں تیرا کام
بد وقفہ اس لیے دیا او گبرِ تیرہ فام تا حرب گاہ میں ترے حربے چلیں تمام
ہے سر پہ تیری موت کہ یہ ذوالفقار ہے
اک وار میں تو نار سے اب ہم کنار ہے
ہاتھوں میں بولہب نے لیا گرزِ گاؤ سر خیرالبشر کا لال اِدھر، وہ شقی اُدھر
اور بیچ میں وہ گرزِ گراں بار، الحذر! جس طرح واو عطف کا مابینِ خیر و شر
ظالم، ارادۂ سرِ مولا کیے ہوئے
ہاتھوں میں اپنے گرزِ گراں سر لیے ہوئے

سو سو طرح سے گرز وہ لایا قریب تر — لیکن حسینؑ کو نہ ذرا بھی ہوا ضرر
شہ نے دو انگلیوں سے سرِ گرز تھام کر — جھٹکا دیا کہ بولہب آیا زمین پر
ہاتھ اس کے دونوں ٹوٹ گئے، رنگ فق ہوا
تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَہَبٍ کا سبق ہوا

دُنیا کی حُب، ہوئی اُسے حَمَّالَۃَ الحَطَب — اور نارِ قہر، گرمیِ تیغِ شہِ عرب
جل کر یہ بولہب بھی گیا پیشِ بولہب — ہم راہیوں پہ اُس کے بڑھے شعلۂ تشنہ لب
پھر فرد فرد کا سرِ امید پست تھا
تقویمِ سرنوشت میں خطِ شکست تھا

جنگل، سپر کے پھولوں سے گلزار ہو گیا — سر کٹ کے یہ گرے کہ اک انبار ہو گیا
چار آئنوں سے شیشے کا بازار ہو گیا — رن، برقِ تیغ سے، کرۂ نار ہو گیا
سب خوفِ تیغِ شہ سے پریشان پھرتے تھے
پاؤں تو پیچھے ہٹتے تھے، سر آگے گرتے تھے

حکمِ خدا سے ایک فرشتے نے دی ندا — اِن فاقوں میں یہ زور ہے، سیدؑ ترے فدا
بس، یہ بشر ہیں اور تو ہے قدرتِ خدا — بس لڑ چکے، نمازِ شہادت کرو ادا
یہ سُن کے، خوفِ حق سے دُرِ اشک گر گئے
قبلے کو مثلِ قبلہ نما شاہ پھر گئے

اُس دم عمر نے جمع کیا سب کو ایک جا — رُوحِ معاویہ کی قسم دے کے، یہ کہا
باگیں اٹھاؤ، اب نہ تامل کرو ذرا — ہیں سوئے قبلہ صرفِ دُعا، شاہِ کربلا
حملہ کرو حسینؑ پہ، نیزے سنبھال لو
نوکوں سے برچھیوں کی، کلیجا نکال لو

تیغیں پکڑ پکڑ کے جو بے رحم آتے تھے
حضرت یہاں جوان پسر کو بلاتے تھے
اکبر وہاں گئے تھے کہ آنے نہ پاتے تھے
عباسؑ کو پکارنے دریا پہ جاتے تھے
امّت کے واسطے نہ تن و سر دریغ تھا
سینہ حضورِ نیزہ تھا، سر پیشِ تیغ تھا

کوفے سے ایک ناقہ سوار آیا ناگہاں
اک خط عمر کو دے کے، یہ اس نے کیا بیاں
ابنِ زیاد نے یہ کہا ہے کہ اے جواں
سید کے سر کا کب سے ہوں میں منتظر یہاں
سر کاٹنے میں آج نہ تاخیر کیجیو
دم لینے کی حسینؑ کو مہلت نہ دیجیو

تیری بہادری سے تعجب کا ہے مقام
غرّے سے اب تلک نہ مٹا فاطمہ کا نام
آراستہ ہیں کوچہ و بازار یاں تمام
کیا عید ہو، جو آتے تو لے کر سرِ امام
جب تیرے ہاتھ سے سرِ شبیر لوں گا میں
سیدانیوں کی لوٹ تجھے بخش دوں گا میں

سنتے ہی یہ، سپاہ کو ظالم نے دی صدا
تم نے سنا کہ جو شتر اسوار نے کہا
باگیں اٹھاؤ، اب نہ تامل کرو ذرا
تاخیر میں عتاب ہے، تعجیل کی ہے جا
کوفے سے حکم آیا ہے ابنِ زیاد کا
وقفہ نہ دو امامِ امم کو جہاد کا

یہ سن کے، چار لاکھ نے مل کر یورش کیا
چاروں طرف سے برچھیوں میں آ کے لے لیا
قرآں کو رحلِ زیں سے زمیں پر گرا دیا
نوحہ کیا زمیں نے کہ فریاد کبریا!
مٹتا ہے آج نام علیؑ و بتولؑ کا
ہوتا ہے قتل آہ نواسا رسولؐ کا

جلاد آستین چڑھاتا ہوا چلا — خنجر پہ انگلیوں کو پھراتا ہوا چلا
مجمع کو راس و چپ سے ہٹاتا ہوا چلا — ارکانِ عرشِ حق کو ہلاتا ہوا چلا
اب کیا کہوں کہ پانو رکھا کس مقام پر
پھٹتا ہے سینہ حالِ شہِ تشنہ کام پر

زوجِ رسول کہتی تھی، جلاد! رحم کر — یہ سینہ میرا سینہ ہے، یہ سر ہے میرا سر
یہ دل ہے میرا دل، یہ جگر ہے مرا جگر — یہ میرا نورِ عین ہے، یہ ہے مرا پسر
بیٹھا ہے تو حسینِ دلاور کے سینے پر
یہ لوٹتا تھا تیرے پیمبر کے سینے پر

زہرا پکاری، عرشِ الٰہی ہلاؤں گی — اے شمر! تجھ پہ آہ کی بجلی گراؤں گی
اس کو نہ مارے گا تو دعا دیتی جاؤں گی — محشر میں حُر سے پہلے تجھے بخشواؤں گی
اس نوحے پر بھی، عرش کو اس نے ہلا دیا
خنجر کو بوسہ گاہِ نبی سے ملا دیا

غل پڑ گیا حسین نے سر کو فدا کیا — اعدا نے جشنِ فتح کا ساماں بپا کیا
رخ شمر نے سوئے حرمِ مصطفا کیا — اک نیزے پہ علم سرِ شاہِ ہُدا کیا
پردہ اٹھائے دیکھتی تھی خواہرِ حسین
نیزے پہ اس کے آگے چڑھایا سرِ حسین

زینب نے ہائے بھائی کہا اور نکل پڑی — بانو نے پھینکی سر سے ردا اور نکل پڑی
کبریٰ پکاری وا ابتا اور نکل پڑی — چلائی فضہ، ہائے خدا، اور نکل پڑی
آگے تو بے حواس حرم روتے جاتے تھے
پیچھے پکارتے ہوئے سب بچے آتے تھے

سیدانیوں سے بڑھ کے یہ اک شخص نے کہا — دیکھو، تمہارے بچے تڑپتے ہیں جا بہ جا
کیوں ان سے بے خبر ہو، ابھی ان کا رن گیا — بیویں پکاریں، قہر ہوا، وا مصیبتا !
دنیا میں ہم نہیں ہیں، جہاں سے گزر گئے
گھر کس کا، بچے کس کے، کہ شبیر مر گئے

ناگاہ شہ کا لاشۂ بے سر نظر پڑا — سرتاجِ اہلِ بیت، زمیں پر نظر پڑا
گویا گلو بریدہ پیمبر نظر پڑا — زینب کو غرقِ خوں جو برادر نظر پڑا
رکھ کر کٹے گلے پہ گلا، یوں لپٹ گئی
سمجھے یہ اہلِ بیت کہ دنیا الٹ گئی

گہ دل خراش بین تھے، گہ یاس کے بیاں — گہ واحسین کہتی تھی رو رو کے خستہ جاں
لے کر بلائیں لاش کی کرتی تھی یہ فغاں — بھیا! مٹا گئے مرے ماں باپ کا نشاں
زہرا کی جان، روحِ علی! آہ کیا کیا
امت نے کس گنہ پہ ترا سر جدا کیا

اے مومنوں کے پشت و پناہ، آہ اے حسین — اے سیدوں کے تاج و کلہ، آہ اے حسین
اے خسروِ قلیل سپہ، آہ اے حسین — بے چارہ و غریب و تباہ، آہ اے حسین
ہے ہے اخی! تو جان سے اپنی گزر گیا
میں آج مر گئی، مرا سب کنبہ مر گیا

پھر آپ کی سواری نہ سوے وطن گئی — کیوں ساتھ آپ کے نہ عدم کو بہن گئی
اس کربلا کے بن میں یہ کیا تجھ پہ بن گئی — تصویر نانا جان کی تیروں سے چھن گئی
مر جاؤں گی تڑپ کے، دلاسا شتاب دو
بھیا! کس آسرے پہ جیوں میں، جواب دو

بیمار تم نہیں کہ شفا کی رکھوں میں آس / جاتے اگر سفر میں تو پھر آتے میرے پاس
زخمی نہیں کہ زخم سیوں، دھو کے سب لباس / قیدی نہیں کہ تم کو چھڑاؤں، میں بے حواس
لاؤں کہاں سے فاتحِ بدر و حنین کو
ہوتے علی تو کہتی، جِلا دو حسین کو

ہے اب تو یہ، بہ خیر کہ دنیا میں پھر تم آؤ / زینب کی زاری بند کرو اور پردے میں بٹھاؤ
آخر کہاں رہوں میں، ٹھکانا مرا بتاؤ / آئی ندا کہ دربدری کے قلق اُٹھاؤ
زینب! اُمیدوارِ نزولِ بلا رہو
جب تک میں بے کفن رہوں، تم بے ردا رہو

اب وقت ہے دُعا کا کہ ہے شدتِ بُکا / آمیں کہیں دبیر! محبانِ مرتضا
یارب! ہیں جتنے شیعۂ سلطانِ لافتا / مقصد برآئیں سب کے مع بانیِ عزا
یارب! نہ کوئی غم ہو انھیں، جز غمِ حسین
اِن دوستوں کے ہاتھ ہوں اور ماتمِ حسین

عبارت کیسے لکھیں



مصنف : رشید حسن خاں

صفحات : 136

قیمت : -/60 روپے

نیا اُردو نصاب

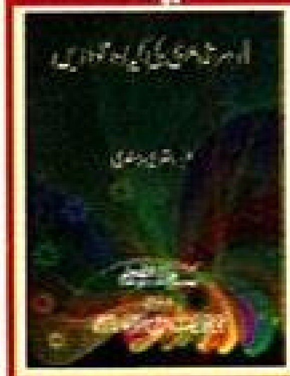


مرتبہ : محمد ذاکر

صفحات : 88

قیمت : -/48 روپے

اردو شاعری کی گیارہ آوازیں

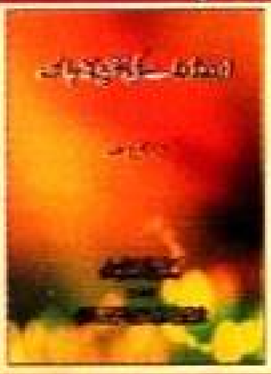


مصنف : عبدالقوی دسنوی

صفحات : 184

قیمت : -/72 روپے

اردو ڈرامے کی تنقید کا جائزہ

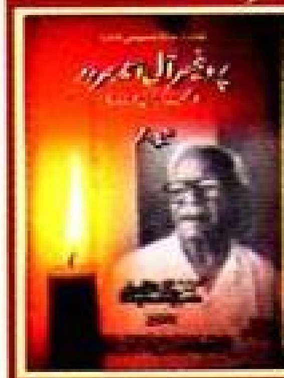


مصنف : ابراہیم یوسف

صفحات : 132

قیمت : -/60 روپے

پروفیسر آل احمد سرور

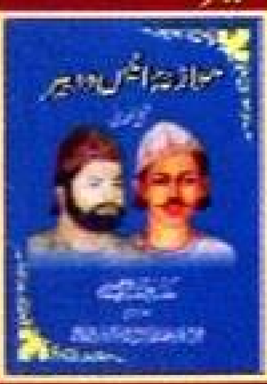


مرتبہ : خلیق انجم

صفحات : 88

قیمت : -/48 روپے

موازنۂ انیس و دبیر

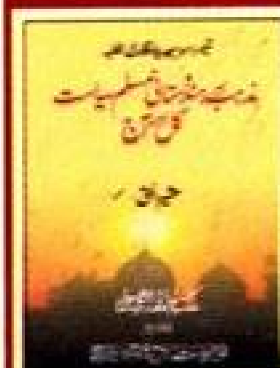


مصنف : شبلی نعمانی

صفحات : 304

قیمت : -/81 روپے

مذہب اور ہندوستانی مسلم سیاست کل اور آج



ترتیب : مشیر الحق

صفحات : 36

قیمت : -/36 روپے

مفکرین تعلیم



مصنف : محمد اکرام خاں

صفحات : 184

قیمت : -/72 روپے

ISBN: 978-81-7587-549-4

9788175875494

₹ 78/-